قدیم نسخہ کی ۱۴۰ سال بعد اوّلین تحقیقی اشاعت

آفتابِ محمّدی (حصہ دوم)

۱۳۰۰ھ

عمدۃ المناظرین زبدۃ المباحثین عالمِ معقول و منقول ماہرِ فرع و اصول

علامہ فقیر محمد جہلمی

(مالک سراج الاخبار، جہلم و مصنّفِ حدائق الحنفیہ)

مع

صمصامِ قادری و سنانِ بغدادی

(روداد مناظرۂ سیالکوٹ، بقلم محمد رمضان)

تحقیق، تخریج و تحشیہ

خرم محمود سرسالوی

ناشر

جمعیّت اشاعت اہلسنّت (پاکستان)

جملہ حقوق بحق محقّق، مخرّج وادارہ محفوظ ہیں۔

نام کتاب	:	آفتابِ محمدی (حصہ دوم)
تصنیف	:	مولانا فقیر محمد جہلمی عَلَیہِ الرَّحمَہ
نامِ کتاب	:	صمصامِ قادری وسنانِ بغدادی
بقلم	:	محمد رمضان
تحقیق، تخریج وتحشیہ	:	خرم محمود سرسالوی
صفحات	:	80
تعدادِ اشاعت	:	4300
اشاعتِ اوّل	:	۱۳۰۰ھ، مطبع محمدی-لاہور
دوسرا ایڈیشن	:	جمادی الاخر ۱۴۴۰ھ-مارچ ۲۰۱۹ء
اشاعت نمبر	:	299
ناشر	:	جمعیتِ اشاعتِ اہلسنّت
		نور مسجد کاغذی بازار، میٹھادر، کراچی
		فون:021-32439799

خوشخبری: یہ رسالہ www.ishaateislam.net پر موجود ہے۔

پیش لفظ

مصنّفِ ”حدائق الحنفیہ“ ”عمدۃ المناظرین، زبدۃ المباحثین، عالمِ معقول و منقول، ماہرِ فروع و اصول علامہ فقیر محمد جہلمی کی سن ۱۳۰۰ھ میں لکھی گئی ”آفتابِ محمدی“ کا پہلا حصہ ادارہ نے شائع کیا۔ ”آفتابِ محمدی“ کا دوسرا حصہ ادارہ اپنے سلسلہ اشاعت کے 299 ویں نمبر پر شائع کررہا ہے۔

اللہ کریم کی بارگاہ میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ محقق، مخرج اور ادارہ کی سعی کو قبول فرمائے اور اس کاوش کو عوام وخواص کے لئے مفید بنائے۔ آمین

محمد علی رضا اختر القادری

مسئلہ آمین:

قولہ:

نہ یہ بات صحیح ہے کہ آمین دعا ہے اور نہ یہ صحیح ہے کہ ہر دعا میں اخفا ہے۔

جواب:

باطل است آنچه مدعی گوئد۔[یعنی، مدّعی نے جو کہا، باطل ہے۔]

آمین کو تو خود خدا تعالیٰ نے دعا فرمایا ہے۔ چناں چہ سورۂ یونس میں باری تعالیٰ نے حضرت موسیٰ وہارون [عَلَيْهِمَا السَّلَامَ] کو مخاطب کر کے فرمایا ہے:

﴿قَدْ أُجِيبَت دَّعْوَتُكُمَا﴾[1]

یعنی، تحقیق قبول کرلی گئی دعا تم دونوں کی۔

تفسیرِ "معالم التنزیل" میں اس آیت کے نیچے لکھا ہے:

إِنَّمَا نُسِبَ إِلَيْهِمَا، وَالدُّعَاءُ كَانَ مِنْ مُوسَى لِأَنَّهُ رُوِيَ أَنَّ مُوسَى كَانَ يَدْعُو وَهَارُونُ يُؤَمِّنُ، وَالتَّأْمِينُ دُعَاءٌ.[2]

یعنی، دعا کو خدا نے دونوں کی طرف منسوب کیا ہے، حالاں کہ دعا موسیٰ [عَلَيْهِ السَّلَامُ] کی طرف سے تھی؛ کیوں کہ روایت کی گئی ہے کہ موسیٰ [عَلَيْهِ السَّلَامُ] دعا مانگتے تھے اور ہارون [عَلَيْهِ السَّلَامُ] آمین کہتے تھے اور آمین کہنا دعا ہے۔

اور تفسیرِ "مدارک" میں لکھا ہے:

كان موسى عليه السلام يدعوا وهارون يؤمن، فثبت أن التأمين دعاء فكان إخفاؤه أولى. انتهى[3]

---

(1)۔۔:[پ:۱۱، یونس، ۸۹]

(2)۔۔:صفحہ ۴۳۹ مطبوعہ بمبئی۔[معالم التنزيل في تفسير القرآن/تفسير البغوي:سوره يونس، تحت آية ۸۹۔432/2]

(3)۔۔:صفحہ ۲۸۶۔[تفسير النسفي/مدارك التنزيل وحقائق التأويل:سوره يونس، تحت آية ۸۹۔38/2]

یعنی، موسیٰ[عَلَیْهِ السَّلَامُ] دعا مانگتے تھے اور ہارون[عَلَیْهِ السَّلَامُ] آمین کہتے تھے، پس یہ ثابت ہوا کہ آمین کہنا دعا ہے، پس ہوا اخفا اس کا اولیٰ۔

ایسا ہی "بیضاوی" و "جلالین" میں ہے کہ:

موسیٰ[عَلَیْهِ السَّلَامُ] دعا مانگتے تھے اور ہارون[عَلَیْهِ السَّلَامُ] آمین کہتے تھے۔[1]

اور "تفسیرِ حسینی" میں ہے:

آوردہ اند کہ موسیٰ دعا میکرد ہارون آمین گوئیندہ در دعا شریکست ازیجہت گفت کہ دعائے ہر دو مستجاب شد۔انتہی[2]

[لکھا ہے کہ حضرت موسیٰ عَلَیْهِ السَّلَام دعا مانگتے تھے اور حضرتِ ہارون عَلَیْهِ السَّلَام آمین کہتے تھے اور آمین کہنے والا دعا میں شریک ہے اس جہت سے حق تعالیٰ نے فرمایا کہ تم دونوں کی دعا قبول کی گئی ہے۔]

اور "صحیح بخاری" میں لکھا ہے کہ:

کہا عطاء نے کہ آمین دعا ہے۔[3]

اور یہ بھی ثابت ہے کہ آمین قرآن میں سے نہیں ہے۔ چناں چہ "بیضاوی" میں ہے:

ولیس من القرآن وفاقا.[4]

یعنی، آمین بالاتفاق قرآن میں سے نہیں ہے۔

اور تفسیرِ "مدارک" میں ہے:

---

(1)۔۔: صفحہ ۳۶۲، جلد اوّل۔[أنوار التنزیل وأسرار التأویل: سورہ یونس، تحت آیة ۸۹۔122/3]
صفحہ ۱۴۶، مطبوعہ بمبئی۔[تفسیر الجلالین: سورہ یونس، تحت آیة۔280/1]

(2)۔۔: صفحہ ۲۹۱، جلد اوّل۔[تفسیرِ قادری ترجمہ اردو تفسیرِ حسینی: پ:۱۱، سورۂ یونس، تحت آیت ۸۹۔ 447/1]

(3)۔۔: قسطلانی، صفحہ ۸۳، جلد دوّم۔[إرشاد الساري لشرح صحیح البخاري: کتاب الأذان، باب جهر الإمام بالتأمین، 98/2]

(4)۔۔: صفحہ ۹، جلد اوّل۔[أنوار التنزیل وأسرار التأویل: سورہ الفاتحہ، تحت آیة ۷۔31/1]

وليس من القرآن بدليل أنه لم يثبت في المصاحف.[1]

[یعنی، آمین قرآن میں سے نہیں، اسی لئے اس کو مصاحف میں لکھا نہیں جاتا۔]

یہ ہم بھی مانتے ہیں کہ ہر دعا میں اخفا نہیں، لیکن اس میں بھی شک نہیں کہ جو ادعیہ قرآن میں سے نہیں، اُن میں بدلیلِ آیت ﴿اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّ خُفْيَةً﴾[2] کے اخفا اولیٰ ہے؛ کیوں کہ اخفا میں اخلاص ہے۔ جیسا کہ ''بیضاوی'' میں ہے:

فإن الإخفاءَ دليلُ الإخلاص.[3]

[یعنی، اخفا اخلاص کی دلیل ہے۔]

اور اخلاص دعا کا اصل اصول ہے۔

اور ''مرقاۃ شرح مشکوۃ'' میں ملا علی قاری نے لکھا ہے:

قُلْتُ: مَعَ أَنَّ الْأَصْلَ فِي الدُّعَاءِ الْإِخْفَاءُ لِقَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّ خُفْيَةً﴾ [الأعراف: ٥٥] وَلَا شَكَّ أَنَّ آمِينَ دُعَاءٌ، فَعِنْدَ التَّعَارُضِ يُرَجَّحُ الْإِخْفَاءُ بِذَلِكَ، وَبِالْقِيَاسِ عَلَى سَائِرِ الْأَذْكَارِ وَالْأَدْعِيَةِ؛ وَلِأَنَّ آمِينَ لَيْسَ مِنَ الْقُرْآنِ إِجْمَاعًا، فَلَا يَنْبَغِي أَنْ يَكُونَ عَلَى صَوْتِ الْقُرْآنِ، كَمَا أَنَّهُ لَا يَجُوزُ كِتَابَتُهُ فِي الْمُصْحَفِ؛ وَلِهَذَا أَجْمَعُوا عَلَى إِخْفَاءِ التَّعَوُّذِ لِكَوْنِهِ مِنَ الْقُرْآنِ.[4]

یعنی، اصل دعا میں لقولہ تعالیٰ ﴿اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّ خُفْيَةً﴾ کے اخفا ہے اور اس میں نہیں شک کہ آمین دعا ہے، پس آمین میں بھی اخفا چاہئے۔ اور دوسری دلیل یہ کہ آمین بالاجماع قرآن میں سے نہیں، پس لائق نہیں کہ صوت آمین کی مثل صوت قرآن کے ہو، جیسا کہ قرآن میں اُس کی کتابت جائز نہیں ہے۔ اسی واسطے اجماع

---

(1)۔۔: صفحہ ۷۰، جلد اوّل۔ [مدارک التنزیل وحقائق التأویل: سورہ الفاتحہ، تحت آیۃ ۷۔ 34/1]

(2)۔۔: یہ آیت سورۂ اعراف میں ہے۔ [پ: ۸، الاعراف، ۵۵]

(3)۔۔: صفحہ ۴۸۵، جلد اوّل۔ [أنوار التنزیل وأسرار التأویل: سورہ اعراف، تحت آیۃ ۵۵۔ 16/3]

(4)۔۔: یہ عبارت صحیح ترمذی، مطبوعہ نول کشور کے صفحہ ۴۹ کے حاشیہ پر درج ہے۔ [مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح: کتاب الصلاۃ، باب القراءۃ في الصلاۃ، تحت رقم 845۔ 696/2]

ہے اس امر پر کہ اعوذ کو آہستہ سے پڑھے؛ کیوں کہ قرآن میں سے نہیں ہے۔

قولہ:

کیوں کہ اوّل تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک ہی دعا نہیں۔ چناں چہ "مؤطا امام محمد" میں لکھا ہے:

فَأَمَّا أَبُو حَنِيفَةَ، فَقَالَ: يُؤَمِّنُ مَنْ خَلْفَ الإِمَامِ، وَلا يُؤَمِّنُ الإِمَامُ. انتهى (1)

اور "مبسوط" میں ہے:

روي عن أبي حنيفة أنه قال: ولا يقول الإمام آمين إنما يقوله المأموم وذالك لأن الإمام داع والمأموم مستمع وإنما يؤمّن المستمع لا الداعی كما فی سائر الأدعية خارج الصلاة. انتهى (2)

اسی طرح "جامع الرموز"، تفسیرِ "ابی السعود" اور "بیضاوی" میں ہے۔

اور "ابوداوَد" میں ابومُصَبِّح سے روایت ہے:

قَالَ: كُنَّا نَجْلِسُ إِلَى أَبِي زُهَيْرٍ النُّمَيْرِيِّ، وَكَانَ مِنَ الصَّحَابَةِ، فَيَتَحَدَّثُ أَحْسَنَ الْحَدِيثِ، فَإِذَا دَعَا الرَّجُلُ مِنَّا بِدُعَاءٍ قَالَ: اخْتِمْهُ بِآمِينَ، فَإِنَّ آمِينَ مِثْلُ الطَّابَعِ عَلَى الصَّحِيفَةِ. الى آخر الحديث (3)

ان اقوال سے دو باتیں ثابت ہوئیں:

ایک یہ کہ آمین دعا نہیں۔

دوسری یہ کہ فاتحہ امام صاحب کے نزدیک دعا ہے اور باوجود دعا ہونے کے تین نمازوں میں بلند آواز سے پڑھی جاتی ہے۔

جواب:

اُن دلائلِ قطعیہ سے جو ہم نے ابھی اوپر بیان کئے ہیں، بالکل اغماض کر کے ان

---

(1)۔۔:[موطأ امام محمد: أبواب الصلاة، باب: آمين في الصلاة، رقم 135۔ص 65]

(2)۔۔:[یہ عبارت نہیں مل سکی۔]

(3)۔۔:[سنن أبي داود: كتاب الصلاة، باب التأمين وراء الإمام، رقم 938]

اقوال سے ثابت کرنا کہ آمین دعا نہیں، بالکل اس مثل کے مطابق ہے کہ:

اندھے کو تاریکی میں بڑی دور کی سوجھی۔

اور یہ ثابت ہوتا ہے کہ یا تو دین داری منظور نہیں۔ یا اقوالِ مذکورہ بالا کے سمجھنے کا مادہ نہیں۔

بیت:

بے فہم اگر چشم بد و زد بکتاب

نتواند دید روی معنی در خواب

اوّل تو امام صاحب کا یہ قول کہ مقتدی آمین کہے اور امام نہ کہے، اُن کی مشہور روایت کے خلاف ہے۔ چناں چہ "مسندِ خوارزمی" میں جو "مسندِ امامِ اعظم" کے نام سے مشہور ہے، لکھا ہے:

أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، قَالَ: أَرْبَعٌ يُخَافِتُ بِهِنَّ الْإِمَامُ: سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ، وَالتَّعَوُّذُ مِنَ الشَّيْطَانِ، وَبِسْمِ اللهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ، وآمِينَ. [1]

یعنی، چار چیزیں امام آہستہ پڑھے:

ایک: سبحانک اللہم

دوسری: اعوذ

تیسری: بسم اللہ

چوتھی: آمین۔

اور تفسیرِ "بیضاوی" میں لکھا ہے:

والمشهور عنه أنه يخفيه كما رواه عبد الله بن مغفل وأنس. [2]

یعنی، روایت مشہور امام ابوحنیفہ [عَلَيْهِ الرَّحْمَه] سے یہ ہے کہ امام آمین کو آہستہ

---

(1)۔۔: صفحہ ۱۱۱، مطبوعہ محمدی۔ [الآثار لمحمد بن الحسن: باب الجهر ببسم الله الرحمن الرحيم، رقم 83۔162/1]

(2)۔۔: صفحہ ۹۔ [أنوار التنزيل وأسرار التأويل: سورة الفاتحة، تحت آية ۷۔32/1]

کہے، جیسا کہ اس اخفا کی روایت کو عبد اللہ بن مغفّل اور انس[رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھما] نے روایت کیا ہے۔

''مسوّی شرح مؤطا امام مالک'' میں لکھا ہے:

يُسَنُّ لِلْإِمَامِ و المامومِ أن يؤمّنا و يسرّ ان التأمين. (1)

یعنی، امام ابو حنیفہ[عَلَیْه الرَّحْمَه] نے کہا ہے کہ امام اور مقتدی دونوں کے لئے سنّت ہے کہ آمین کہیں اور ہولی کہیں۔

اس لئے تمام مُتون و شروحِ فقہ مثل ''کنز الدقائق'' و''مختصر وقایہ'' اور'' در مختار'' اور''شرح وقایہ'' و''ہدایہ'' وغیرہ لکھا ہے کہ امام اور مقتدی دونوں آمین کہیں۔ پس ان اقوال سے ثابت ہوا کہ صحیح اور مفتیٰ بہ روایت امام صاحب سے یہی ہے کہ امام اور مقتدی دونوں آمین کہیں، لیکن جو متروک روایت امام صاحب کی ہے اُس سے یہ کسی طرح مفہوم نہیں ہو سکتا کہ آمین دعا نہیں، جیسا کہ آپ نے اپنی خوش فہمی سے سمجھ لیا ہے؛ کیوں کہ داعی دو قسم ہے:

اوّل داعی بالفعل ہے جس کی دعا سن کر لوگ آمین کہتے ہیں، اُس کے مقابل کو مستمع کہا جاتا ہے۔

دُوُم داعی بالقوہ ہے کہ آمین کہنے کے باعث داعی ہے۔

پس روایتِ متروکہ میں امام صاحب کی مراد داعی سے قسمِ اوّل ہے۔ پس امام صاحب کی ہر دو روایات میں آمین کے دعا ہونے میں کوئی منافات نہیں ہے اور نیز روایتِ مذکور سنّتِ موسویہ پر مبنی ہے کہ جس طرح موسیٰ[عَلَیْهِ السَّلاَم] نے دعا مانگی تھی اور حضرت ہارون[عَلَیْهِ السَّلاَم] صرف آمین کہتے رہے تھے اور خدا نے اُس کو قبول کیا، جس کا حال آیت ﴿قَدْ أُجِيبَتْ دَّعْوَتُكُمَا﴾ میں پیچھے گزرا۔ اسی طرح امام بھی بروقت سورۂ فاتحہ پڑھنے کے داعی ہوتا ہے؛ اس لئے مثل ہارون[عَلَیْهِ السَّلاَم] کے صرف مقتدی کو ہی آمین کہنا چاہیئے، گو وہ دعا خارج از صلوۃ تھی، مگر

(1)۔۔:صفحہ۱۰۸۔[مسوّی شرح مؤطا امام مالک(مع مصفی(فارسی)):کتاب الصلاۃ،باب یستحب التامین للامام و الماموم۔107/1]

صورت ایک ہی ہے۔ چناں چہ اسی اثر پر ادعیہ خارجِ صلوٰۃ میں عمل ہو رہا ہے کہ امام دعا مانگا کرتا ہے اور لوگ صرف آمین کہا کرتے ہیں اور امام کا آمین نہ کہنا امام مسلم کی اُس حدیث پر مبنی ہے جو "مشکوۃ" کے باب القراءۃ فی الصلوۃ کے فصلِ اوّل میں ہے:

یعنی، جب تم نماز پڑھو، پس برابر کرو اپنی صفوں کو، پھر امامت کرے تم میں سے کوئی، پس جب وہ تکبیر کہے، پس تم تکبیر کہو اور جب وہ ﴿غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ﴾ کہے، پس تم آمین کہو، قبول کرتا ہے اللہ تمہاری دعا کو۔ پس جب وہ تکبیر کہے اور رکوع کرے، پس تم بھی تکبیر کہو اور رکوع کرو اور جب «سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ» کہے، پس تم «رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ» کہو۔ سنتا ہے اللہ تمہاری حمد کو۔(1)

دیکھو! اس حدیث سے صاف ثابت ہے کہ آمین کہنا صرف مقتدیوں کا ہی منصب ہے، مگر چوں کہ اور حدیثوں میں امام کے آمین کہنے کا ذکر ہوا ہے، اس لئے امام صاحب نے اُن کے مطابق امام و مقتدی دونوں پر آمین کا کہنا سنّت قرار دیا ہے۔

اور "ابو داوَد" کی حدیثِ محوّلہ بالا تو ہمارے مفید اور آپ کے دعویٰ کی مضرّ ہے؛ کیوں کہ اُس کا مطلب صرف اتنا ہی ہے کہ جب کوئی دعا مانگے تو اُس کو آمین کے ساتھ ختم کرے؛ کیوں کہ آمین مثل خاتم کے ہے صحیفہ پر۔ سو اس سے کسی طرح مفہوم نہیں ہو سکتا کہ وہ دعا نہیں؛ کیوں کہ مایختم به الشئ جنسِ شے سے ہوتا ہے، ورنہ معاذاللہ لازم آئے گا کہ آں حضرت [صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّم] پیغمبر نہ تھے؛ کیوں کہ اُن کو بھی خدا نے خاتم النبیّین فرمایا ہے، بلکہ اس امر کی مثبت ہے کہ جب تک آمین کے ساتھ دعا کو ختم نہ کیا جائے، وہ ختم ہی نہیں ہوتی اور جس طرح خط بغیر نام و دستخطِ کاتب کے غیر معتبر ہوتا ہے۔ اسی طرح دعا بھی آمین کے بغیر غیر مختتم ہے اور فاتحہ کے نمازِ جہریہ میں اونچا پڑھنے کی نظیر پیش کرنا محض سفسطہ اور ڈنگو نسلا ہے۔ یہ اُس وقت قابلِ لحاظ ہو سکتا تھا کہ جب سورۂ فاتحہ قرآن میں سے نہ ہوتی اور مثل آمین کے ہوتی، جب ایسا نہیں ہے تو ہمارا مطلب یہ ہے کہ جو احادیث آمین کے اخفا میں آئی ہیں، وہ آیت

---

(1)۔۔:[مشکاۃ المصابیح: کتاب الصلاۃ، باب القراءۃ في الصلاۃ، الفَصل الأول، رقم 826۔263/1]

﴿اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّ خُفْيَةً﴾[1] اورآیت﴿وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّ خِيْفَةً وَّدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ﴾[2] اور﴿اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ نِدَآءً خَفِيًّا﴾[3] سے تقویت پاکر اور مطابقتِ کلی حاصل کرکے اُن تین احادیث پر کلی ترجیح و فوقیت رکھتی ہیں جو آپ نے آمین بالجہر میں نقل کی ہیں۔

پس آمین ہولی کہنا ہمارا بموجب احادیث اور مطابق قرآن ہوا اور احادیث آمین بالجہر ہمارے اس عمل کے کچھ مضرّ نہیں؛ کیوں کہ **اوّل** تو وہ حدیثیں من حیث السند بالکل ضعیف ہیں اور ہرگز حجّت کے لائق نہیں۔ چناں چہ پہلی حدیث میں محمد بن کثیر راوی کثیر الغلط ہے، جیسا کہ "تقریب التہذیب" میں مصرّح ہے۔[4]

دوسری حدیث میں ابن ابی لیلیٰ راوی بہت سیئ الحفظ ہے اور حجیۃ بن عدی راوی مخطی ہے، جیسا کہ "تقریب" میں ہے۔[5]

تیسری حدیث میں یونس بن ابی اسحاق راوی وہمی اور ابو اسحاق مختلط ہے، جیسا کہ "تقریب" میں ہے۔[6]

اور نیز یہ حدیث منقطع ہے؛ کیوں کہ عبد الجبار نے اپنے باپ وائل بن حجر سے کوئی حدیث نہیں سنی، بلکہ وہ چھ /٦ ماہ بعد وفات اپنے باپ کے پیدا ہوا ہے۔

دُوُم:

---

(1)۔۔:[پ:٨،الاعراف،٥٥]

(2)۔۔:[پ:٩،الاعراف،٢٠٥]

(3)۔۔:[پ:١٦،مریم،٣]

(4)۔۔:[تقریب التھذیب:حرف المیم ذکر من اسمه محمد،رقم6251۔ص504]

(5)۔۔:[تقریب التھذیب:حرف المیم،ذکر من اسمه محمد(محمد ابن عبد الرحمن ابن أبي لیلی الأنصاري)،رقم6081۔ص493=حرف الحاء المھملة،ذکر من اسمه حبان بالکسر،(حجیة بوزن علیة ابن عدي الکندي)،رقم1150،ص154]

(6)۔۔:[تقریب التھذیب:حرف الیاء(یونس بن ابی اسحاق)،رقم7899۔ص613][حرف العین،باب ع ل،ذکر من اسمه عمرو (ابو اسحاق السبیعی)،رقم5065،ص423]

وہ ہمارے نزدیک محمول بہ تعلیم ہیں یعنی، آں حضرت [صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم] نے بعض وقت آمین اس لئے اونچی کہی ہے کہ مقتدیوں کو تعلیم حاصل ہو کہ وہ بھی آمین کہا کریں۔ چناں چہ "قسطلانی شرح صحیح البخاری" میں لکھا ہے:

وقال الحنفية والكوفيون ومالك في رواية عنه بالإسرار: لأنه دعاء، وسبيله الإخفاء لقوله تعالى: ﴿اُدۡعُوۡا رَبَّكُمۡ تَضَرُّعًا وَّخُفۡيَةً﴾ وحملوا ما روي من جهره عليه الصلاة والسلام به على التعليم. (1)

[احناف، کوفیوں اور ایک روایت کے مطابق امام مالک نے اسرار (آمین آہستہ آواز میں کہنے) کا قول کیا ہے؛ چوں کہ یہ دعا ہے اور اس کا طریقہ اخفا ہے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی وجہ سے کہ "اپنے ربّ سے دعا کرو گڑگڑاتے اور آہستہ" اور ان مذکورہ حضرات نے آمین بالجہر کے بارے میں مروی حضور عَلَیْہِ الصَّلَاۃُ وَالسَّلَامُ کی روایت کو تعلیم (سکھانے) پر محمول کیا ہے۔]

ایسا ہی تفسیرِ "بیضاوی" کے حاشیہ "عصام" میں ہے۔

قولہ:

یہاں پر مولانا ابو سعید محمد حسین صاحب کی یہ بات نہایت صادق آئی کہ حنفی اپنے اس قاعدہ پر کہ:

"آیت قطعی ہوتی ہے اور حدیث ظنّی اور قطعی کے مقابلہ میں ظنّی پر عمل جائز نہیں۔"

پابند نہیں رہتے، بلکہ جہاں اس قاعدہ پر چلنے سے امام کے مذہب کی پیروی چھوٹتی ہے، وہاں اس قاعدہ کو بالائے طاق رکھ کر آیت کے مقابلہ میں حدیثِ ظنّی، بلکہ قولِ صحابی، بلکہ رائے فقیہ سے تمسّک کرتے ہیں۔ چناں چہ اوّل جمعہ میں قرآن یوں ناطق ہے:

---

(1)۔۔: صفحہ ۸۴، جلد دُوم، مطبوعہ نول کشور۔ [إرشاد الساري لشرح صحيح البخاري: كتاب الأذان، باب جهر المأموم بالتأمين، تحت رقم 780۔100/2]

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰی ذِكْرِ اللّٰهِ وَ ذَرُوا الْبَیْعَ﴾[1]

دیکھو! یہ صریح ہے کہ جمعہ کے واسطے بادشاہ یا شہر یا بازار ہونے کی کچھ شرط نہیں، پر حنفیہ اس آیت کو نہیں مانتے اور کہتے ہیں کہ جہاں شہر و بازار و حاکم نہیں، وہاں نمازِ جمعہ صحیح نہیں۔ انتہی ملخّصاً

جواب:

اگر آپ کو حنفیوں کے قواعد سے جو اصولِ فقہ میں مذکور ہیں، کچھ بھی واقفیّت ہوتی تو اس آیت کو دیکھ کر مثل اپنے مولانا محمد حسین صاحب بٹالوی کے کبھی دھوکہ نہ کھاتے، مگر مشکل تو یہ ہے کہ آپ کے فرقہ میں مبلغِ علم کی یہ مقدار آن ٹھہری ہے کہ جس نے قرآن کا کچھ ترجمہ اور حدیث میں "مشکوۃ" یا "مشارق الانوار" کا کسی قدر ترجمہ پڑھ لیا وہ مجتہدِ مطلق ہو کر ائمہ سلف پر طعن کرنے بیٹھ گیا۔ بلا سے اُس کو اُن کی بات کی سمجھ آئے یا نہ آئے۔

بیت:

چشم بد اندیش که برکنده باد
عیب نمائد ہنرش در نظر

حضرت سلامت! حنفی کبھی آیت کے مقابلہ میں حدیث پیش نہیں کرتے، لیکن چوں کہ احادیث اکثر قرآن کی تفسیر ہیں اور اگر احادیث نہ ہوتیں تو بقول عارف شعرانی:

"کوئی قرآن کا مطلب نہ سمجھ سکتا۔"

اس لئے حنفیوں کا ایک یہ بھی قاعدہ ہے کہ:

جب کسی آیت کے عام حکم سے جس میں بہت سے افراد شامل ہوں، کوئی اور

---

(1)۔۔:[اے ایمان والو جب نماز کی اذان ہو جمعہ کے دن تو اللہ کے ذکر کی طرف دوڑو اور خرید و فروخت چھوڑ دو۔][پ:۲۸، الجمعہ،۹]

آیت ایک یا زیادہ افراد کو نکال دے تو پھر حدیثِ احاد، بلکہ قیاسِ مجتہد بھی اُس میں سے کوئی فرد نکال سکتا ہے۔ مگر شرط یہ ہے کہ اس فرد کے نکلنے سے آیتِ مذکور مرتبۂ عمومیّت سے نکل کر خاص نہ بن جائے۔(1)

جب یہ قاعدہ آپ کے ذہن نشین ہو گیا تو اب ہم کہتے ہیں کہ آیتِ مذکور میں جو یہ کلمہ وارد ہے:

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا﴾

اس میں لڑکا و مجنون و مریض و عورت و غلام و نابینا و اپاہج وغیرہ سب شامل ہیں اور سب پر جمعہ فرض ہے، حالاں کہ لڑکا و مجنون مکلّفِ شرعی نہیں اور مریض و نابینا و اپاہج آیت﴿لَیْسَ عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ وَّ لَا عَلَى الْاَعْرَجِ حَرَجٌ وَّ لَا عَلَى الْمَرِیْضِ حَرَجٌ﴾(2) سے مستثنیٰ ہو گئے۔

پس جب اس قدر افراد آیت میں سے نصِّ قطعیہ سے خارج ہو گئے اور ان پر جمعہ واجب نہ رہا تو اب چند افراد مثل عورت و غلام کے یا اُس شخص کے جو شہری نہ ہو یا جہاں حاکم نہ ہوں، احادیث سے جو اس باب میں کتبِ احادیث میں مذکور ہیں، خارج ہو گئے اور باوجود ان افراد کے مستثنیٰ ہونے کے پھر یہ آیت(3) اپنے عمومیّت پر قائم ہے۔ ہم کبھی اپنے قاعدہ سے انحراف نہیں کرتے، یہ شُتر مرغی آپ کے فرقہ کا ہی وتیرہ ہے اور -**المرء یقیس علیٰ نفسه**- کے، ہم کو بھی آپ نے اپنے اوپر قیاس کرتے ہیں۔ برائے خدا! کوئی تو ایسا مقام نکال کر دکھاؤ، جہاں ہم نے مجتہدین و فقہا کے قواعد میں سے کسی قاعدہ کا، جو اُنہوں نے کتبِ اصولِ فقہ میں معرفتِ قرآن و احادیث اور نصوصِ شرعیہ کے لئے مقرّر کئے ہیں، اس غرض سے انحراف کیا ہو کہ اُس سے امام کے

---

(1)۔۔: دیکھو اصولِ شاشی: مطبوعہ ہوپ پریس لاہور، صفحہ ۶۔[أصول الشاشي (مع احسن الحواشی): البحث الاوّل فی کتاب اللہ تعالیٰ، فصل فی الخاص و العام، ص 12 تا 14]

(2)۔۔: [پ:۱۸، النور، ۶۱]

(3)۔۔: دیکھو تفسیرِ احمدی، مطبوعہ مطبع پنجابی لاہور، صفحہ ۳۶۔[التفسيرات الاحمدية فی بيان الآيات الشرعية: پ:۱۸، النور، تحت الآیة ۶۱، ص 577]

مذہب کی تقلید چھوٹتی ہے۔ یہ جو آپ نے کہا کہ:

"آیت میں شہر یا بازار کی کوئی شرط نہیں۔"

معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے آیتِ مذکورہ کو نہیں سمجھا، اگر آپ قطعِ نظر حدیث کے جو شہر کی شرط میں وارد ہے، کلمہ ﴿وَ ذَرُوا الْبَیْعَ﴾ پر ہی نظر ڈالتے تو آپ کو خود بخود معلوم ہو جاتا کہ وہ بھی عموماً شہر پر ہی دال ہے۔

قولہ:

دُوُم:

آیت ﴿اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَیْکُمُ الْمَیْتَةَ وَالدَّمَ﴾[1] میں خدا تعالیٰ نے تمام مرداروں کو حرام فرمایا ہے اور مچھلی کی بابت حنفی اس حدیث پر کہ حضرت [صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم] نے فرمایا:

میری امت پر دو مردار حلال ہیں: مچھلی اور مکڑی۔

پر عمل کر کے آیت چھوڑ دیتے ہیں۔ انتہی ملخصاً

جواب:

ہم مچھلی کی حلت میں بھی آیت پر ہی عمل کرتے ہیں اور حدیثِ مذکور بطورِ تائید کے ہے۔ دیکھو! خدا تعالیٰ سورۂ مائدہ میں فرماتا ہے:

﴿اُحِلَّ لَکُمْ صَیْدُ الْبَحْرِ وَ طَعَامُہٗ مَتٰعًا لَّکُمْ وَلِلسَّیَّارَةِ﴾[2]

یعنی، حلال کیا گیا ہے واسطے تمہارے شکار کرنا دریا کا اور کھانا اُس کا، فائدہ ہے واسطے تمہارے اور واسطے مسافروں کے۔

اور سورۂ نحل میں ہے:

﴿وَهُوَ الَّذِیْ سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَاْکُلُوْا مِنْهُ لَحْمًا طَرِیًّا﴾[3]

---

(1)--:[پ:۱۴، النحل، ۱۱۵]

(2)--:[پ:۷، المائدہ، ۹۶]

(3)--:[پ:۱۴، النحل، ۱۴]

اور وہ ہے جس نے مسخّر کیا دریا کو، تاکہ کھاؤ اُس میں سے گوشت تازہ یعنی، مچھلی۔

علاوہ اس کے جو مچھلی اپنی موت سے مر گئی ہو ہم اُس کو بھی حرام سمجھتے ہیں، جیسا کہ ابو داؤد وابن ماجہ میں جابر [رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ] سے روایت ہے:

قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسلم: «مَا ألقاهُ البحرُ وجزر عَنْهُ الْمَاءُ فَكُلُوهُ وَمَامَاتَ فِيهِ وَطَفَا فَلَا تَأْكُلُوهُ». (1)

یعنی، حضرت [صَلَّى اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم] نے فرمایا کہ جس مچھلی کو دریا کنارہ پر ڈال دے یا جس سے پانی منقطع ہو گیا ہے، وہ مچھلی کھالو اور جو دریا میں مر گئی ہے اور تیر آئی ہے، اُس کو مت کھاؤ۔

اور پہلی حدیث میں جو حضرت نے مچھلی و مکڑی کو مردار فرمایا ہے، وہ اس جہت سے نہیں کہ مچھلی موت سے مری ہوئی کھالو، بلکہ اُن کو اس لحاظ سے مردہ فرمایا ہے کہ بغیر ذبح کے اُن کا کھانا درست ہے؛ کیوں کہ وہ قابلِ ذبح نہیں، بلکہ اُن کا پانی سے باہر نکالنا ہی بمنزلہ ذبح کے ہے۔ چناں چہ جابر [رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ] سے روایت ہے:

قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسلم: «مَا من دَابَّةٍ إِلَّا وَقَدْ ذَكَّاهَا اللهُ لِبَنِي آدَمَ». رَوَاهُ الدَّارَقُطْنِيّ (2)

نہیں ہے کوئی جانور دریا میں، مگر یہ کہ ذبح کیا ہے اُس کو اللہ نے واسطے بنی آدم کے۔

پس اس نظیر میں بھی ہم عامل بالقرآن ثابت ہوئے اور الزام آپ کا محض باطل و دھوکہ دہی ٹھہرا۔

ہم نے اے نالۂ دل تیرا اثر دیکھ لیا
نہ ہوا تجھ سے کوئی کارِ نمایاں اب تک

---

(1)۔۔: یہ مشکوۃ کے باب ذکر الکلب کے فصلِ سوم میں ہے۔[كتاب الصيد والذبائح، باب ما يحل أكله وما يحرم، الفصل الثاني، رقم 4133ـ1204/2]

(2)۔۔: یہ مشکوۃ کے باب صید وذبائح کے فصلِ سوم میں ہے۔[كتاب الصيد والذبائح، الفصل الثالث، رقم 4097ـ1196/2]

یہاں تک تو اُن جوابوں کا جواب الجواب دیا گیا جو مؤلّفِ ’’شہابِ ثاقب ‘‘و’’ستارہ محمدی‘‘ نے مباحثہ سیالکوٹ کی نسبت لکھے تھے، اب مؤلّفِ ’’ستارہ‘‘ کے اُن ہذیانات کی تردید کی جاتی ہے، جو اُس نے اپنے رسالہ کے اخیر میں لکھے ہیں۔

قولہ:

رسالہ ’’اظہار الحق‘‘ کے صفحہ ۱۸ میں یہ فتویٰ کہ:

پنیر مایہ شام کا جو مشہور ہے بنانا اُس کا ساتھ پنیر مایہ سور کے اور آیا جناب رسولِ خدا کے پاس پنیر اُن کے پاس سے، پس کھایا آں حضرت نے اُسے اور نہ پوچھا اُس سے۔‘‘

اوّل:

تو یہ فتویٰ خاص مولوی عطا محمد صاحب ہوشیار پوری حنفی المذہب کا ہے اور ہم میں سے کسی علما کا یہ اعتقاد نہیں۔

دُوُم:

یہ رسالہ علمائے لاہور و دہلی کے پاس مرتّب ہو کر پیش نہیں ہوا، بلکہ علاحدہ سوال مستقل اُن کے پاس پہنچے، جن کے جواب آنے پر خان احمد شاہ نے اُن کو رسالہ میں شامل کر دیا۔ علما نے نہ کوئی فتویٰ مندرج رسالہ قبل طبع کے آنکھ سے دیکھا اور نہ اُس پر مہر کی۔ **واللہ علی ذالک شہید و کفی باللہ شہیدا**۔ انتہی

جواب:

مصرعہ:

چہ دلاور است دزدیکہ بکف چراغ دارد

یہ سب بیان آپ کا محض دروغ بے فروغ اور آپ کی دین داری کا عمدہ ثبوت ہے۔ شاید اتنا بڑا جھوٹ آپ نے اس بولا کہ وہ رسالہ کسی کے پاس نہ ہو گا، آؤ! دھوکہ دے کر ناواقفوں کے سامنے بری الذمہ ہو جائیں، حالاں کہ رسالہ مذکور جا بجا سے آپ کو جھٹلا رہا ہے اور صاف صاف بتلا رہا ہے کہ پہلے یہ مسئلہ یعنی، نصاریٰ کے ساتھ کھانا کھانے کا مولوی غلام علی صاحب امر تسری کے پاس آیا، جنہوں نے صفحہ ۳ سے لے کر ۷ تک اباحت کا فتویٰ دیا۔

پھر مولوی عطا محمد[کے] پاس آیا۔ اُنھوں نے صفحہ ۱۷ میں شروع میں یہ عبارت لکھ کر کہ:

میں نے اس فتویٰ کو موافق اور مطابق اصول و فروعِ شرع شریف کے پایا۔

اس کے بعد صفحہ ۱۸ میں پنیر مایہ کا ذکر کیا۔

پھر یہ فتویٰ مولوی عبد اللہ جندی کے پاس آیا۔ اُنھوں نے صفحہ ۱۹ پر یہ عبارت لکھی:

كلّ ماوقع فی هذا الفتوىٰ حقّ لا شبهة فيه.

بعد ازاں مولوی عبد العزیز نے اسی صفحہ میں یہ عبارت لکھی:

آنچه حضرت شیخنا و مولانا و بالفضل اولانا علامة الزمان و فہامة الدوران مولوی غلام علی صاحب جواب از مسائل کتب اصولیه قرآن و حدیث قلمی فرموده حق است۔

پھر مولوی نظام الدین صاحب نے صفحہ ۲۰ پر لکھا ہے:

جو کچھ اوپر تحریر ہوا، سب راست اور درست اور یہی اعتقاد سب اہلِ سنت و جماعت و صحابہ کرام اور تابعین کا تھا۔

پھر صفحہ ۲۰ پر مولوی جمال الدین صاحب لکھتے ہیں:

جو کچھ عالمِ معقول و منقول، حاویٔ فروع ق اصول شیخنا المکرّم جناب مولوی غلام علی صاحب نے اس فتویٰ میں مذہب محقّقین کا بیان فرمایا ہے، لاریب کہ یہی حق ہے۔

پھر صفحہ ۲۳ پر حافظ عبد الحنان صاحب لکھتے ہیں:

ماأجاب شيخنا أبو عبدالله القصوری فهو صحيح لا ريب فيه۔

صفحہ ۲۶ میں مولوی امام دین لکھتے ہیں:

هذه المسائل المذكورة أصح و أحرىٰ بالعمل و أحق بالقبول۔

اسی صفحہ پر مولوی محمد عمر بٹالوی لکھتے ہیں:

یہ فتویٰ صحیح ہے، اس میں کچھ شک نہیں۔

اب میں کہاں تک بیان کروں؟؟؟

اخیرِ رسالہ میں صفحہ ۱۳ پر مولوی ہادی بختیار لکھتے ہیں:

میں مفتیوں کے جوابوں کی تصدیق کرتا ہوں؛ کیوں کہ حدیث و قرآن و شرعِ طریقہ محمدی میں، میں نے اسی طرح پایا۔

اب میں پوچھتا ہوں کہ اگر آپ کے فرقہ کے مولویوں نے تمہارے مجتہد امر تسری اور عطا محمد کا فتویٰ نہیں دیکھا تھا تو وہ کہاں سے کہتے ہیں کہ:

فتویٰ صحیح ہے اور جو کچھ اوپر تحریر ہوا، سب درست ہے اور میں مفتیوں کے جوابوں کی تصدیق کرتا ہوں۔

کیا آپ اسی جھوٹے بیان پر خدا کو گواہ لائے ہیں؟ افسوس! خدا تو ﴿لَّعۡنَتَ اللّٰهِ عَلَى الۡكٰذِبِيۡنَ﴾ فرماتا ہے اور آپ اس قدر دلیر ہیں کہ صرف جھوٹ ہی نہیں کہتے، بلکہ اپنے جھوٹے بیان کو راست دکھا کر خدا کو اُس پر گواہ لاتے ہیں۔ یہاں سے ثابت ہوا کہ آپ اپنی ترقی تجارت اور جھوٹی ناموری مصنّفی کے لئے جھوٹی قسم بھی کھا لیتے ہیں:

ہم بندۂ زر ہیں نہیں دین سے کچھ کام ہمارا

مولوی عطا محمد کو ہم ہر گز حنفی نہیں سمجھتے، گو وہ مثل اور بہت سے دو غلے اہلِ علم کے تقیہ کر کے اپنے منہ سے حنفیّت کا ادّعا کریں، مگر ہم قول و فعل کو معتبر سمجھتے ہیں اور نہ کتاب ''غائۃ الاوطار''، ''قرّۃ العین'' کی شرح ''فتح المسکین'' جس سے اُنہوں نے پنیر کا مسئلہ لکھا ہے۔ حنفیوں کی کوئی کتاب ہے؟ اگر ہے تو پتہ دو، کیوں محض دھوکہ دہی پر کمر باندھ رکھی ہے!

اب ہم اُن اعتراضوں کے جواب لکھنے کی طرف متوجہ ہوتے ہیں، جو مؤلّفِ ''ستارہ'' نے اپنی کتاب ''ظفر المبین''[1] سے نکال کر مسلمانوں کو دھوکہ دینے اور سراج الاُمّہ امام اعظم رَحۡمَةُ اللهِ عَلَيۡه سے متنفر کرنے کے لئے مکرّر اس رسالہ میں

---

(1)۔۔:[یہ کتاب بھی محی الدین وہابی (م:1312ھ) کی تصنیف ہے، جس کا پورا نام (**ظفرُ المبین فی رد مُغالطات المُقلدین**) ہے۔ اس کا ردّ مفتی غلام دستگیر قصوری علیہ الرحمہ نے بھی ''ظفر المقلّدین'' کے نام سے لکھا ہے۔ دیکھئے: (رسائلِ محدّثِ قصوری: جلد اوّل، مقدّمہ، ص83)]

بھی لکھ دیئے ہیں اور امام موصوف کی عداوت میں اپنے آپ کو" بخاری" کی اس حدیث «مَنْ عَادَى لِي وَلِيًّا فَقَدْ آذَنْتُهُ بِالحَرْبِ»(1) کا مصداق بنایا، اگرچہ اُن کی کتابِ مذکور کی تردید میں کتاب "نصرة المجتهدین بردّ ہفوات غیر المقلّدین"(2) چھپ چکی ہے اور دوسری کتاب "فتح المبین فی کشف مکائد غیر المقلّدین"(3) کان پور میں چھپ رہی ہے اور نیز اُن مسائلِ مطعونہ کا جواب "نیّرِ اعظم" میں بھی آ چکا ہے، لیکن تاہم جوشِ حقّیّتِ مذہبی نہیں رُک سکتا اور کُشاں کُشاں اس رسالہ میں بھی مختصراً اُن کے جواب لکھنے پر مجبور کرتا ہے۔

قولہ:

"ہدایہ" جلد اوّل کے صفحہ ۴۹۶ میں لکھا ہے کہ:

جو شخص اپنی محرماتِ ابدی مثل ماں، بہن اور بیٹی وغیرہ محرماتِ ابدی سے جان کر نکاح کرے اور صحبت کرے اُن سے تو امام اعظم کے نزدیک اس پر حدّ نہیں آتی۔ انتہی

جواب:

کیوں جھوٹ بولتے ہو؟ کچھ تو خدا کا خوف کرو! کہاں ایسا لکھا ہے کہ جو شخص ماں، بہن اور بیٹی وغیرہ محرماتِ ابدی سے جان کر نکاح کرے، بلکہ وہاں تو صرف اتنا ہی لکھا ہے کہ:

اگر کوئی شخص کسی ایسی عورت سے نکاح کر کے وطی کر بیٹھے، جس سے اُس کا نکاح حلال نہ تھا، تو ایسے شخص کا امام اعظم [عَلَيْه الرَّحمَه] کے نزدیک حکم یہ ہے کہ اُس کو حد

---

(1)۔۔:[صحیح البخاري: کتاب الرقاق، باب التواضع، رقم 6502]

(2)۔۔:[یہ کتاب علامہ مولانا وکیل احمد سکندرپوری علیہ الرحمہ (م:۱۳۲۲ھ) کی تصنیف ہے۔]

(3)۔۔:[یہ کتاب علامہ منصور علی خان مرادآبادی کی تصنیف ہے، جسے ۶ جون ۲۰۱۴ء / شعبان المعظّم ۱۴۳۵ھ کو طلبۂ جماعتِ سادسہ (عالمیت سال آخر) دارالعلوم علیمیہ، جمداشاہی، بستی (یو، پی) نے جدید رنگ و آہنگ میں ۶۸۰ صفحات میں شائع کیا ہے۔ واضح رہے یہ کتاب ۴۲۶ علمائے کرام و شیوخِ عظام کی تقریظات و تصدیقات، دستخط و تصدیق سے مزیّن ہے۔]

نہ ماری جائے، لیکن تعزیر دی جائے، اگر اُس کو اس بات کا علم تھا کہ میرا اس سے نکاح جائز نہیں۔

اور صاحبین و امام شافعی [رَحِمَهُم اللّٰهُ] کہتے ہیں کہ:

اگر وہ جانتا تھا تو اُس کو حدّ ماری جائے۔ چناں چہ بعینہ عبارت یہ ہے:

ومن تزوّج امرأة لا يحل له نكاحها فوطئها لا يجب عليه الحد عند أبي حنيفة رحمه الله، ولكن يوجع عقوبة إذا كان علم بذلك. وقال أبو يوسف ومحمد والشافعي رحمهم الله عليه: الحد إذا كان عالما بذلك. انتهى (1)

[یعنی، جس نے ایسی عورت سے نکاح کیا جس سے نکاح کرنا حلال نہیں ہے، پھر اُس سے وطی کی، تو امام اعظم ابو حنیفہ عَلَيْهِ الرَّحْمَه کے نزدیک اُس پر حدّ واجب نہیں ہو گی، لیکن اُس کو دردناک تکلیف دی جائے گی، جب کہ جان بوجھ کر ایسا کیا ہو۔ امام ابو یوسف و امام محمد و امام شافعی رَحْمَةُ اللهِ تَعَالٰى عَلَيْهِم فرماتے ہیں: اُس پر حدّ واجب ہو گی، جب کہ جان بوجھ کر ایسا کیا ہو۔]

دیکھو! اس عبارت میں کہاں محرماتِ ابدیہ مثل ماں، بہن، بیٹی کا صراحتاً کیا، بلکہ کنائتاً بھی ذکر آیا ہے، جو آپ نے کچھ کا کچھ ظاہر کر دیا؟ ؎

وائے بر فرقه که ہمت شان
جمله کیّادی و دغا باشد

آپ کا جو لفظ "امرأة لا يحل له نكاحها" سے جھٹ ماں، بہن، بیٹی کی طرف خیال جا دوڑا؟ یہ۔ ع:

فکر ہرکس بقدرِ ہمت اوست

ہے، مگر آپ تسلّی رکھیں کہ مسلمانوں میں ایسا غافل کوئی نہ ہو گا، جو ماں، بہن اور بیٹی سے نکاح کرنے کی جراءت کر سکے۔ اگر شاذ و نادر کوئی آپ جیسا ہم خیال ایسی

---

(1)۔۔: الهداية في شرح بداية المبتدي: كتاب الحدود، باب الوطء الذي يوجب الحد والذي لا يوجبه، 346/2

جراءت کر بھی سکے تو وہاں نکاح کی قید لگی ہوئی ہے اور نکاح بغیر دو عاقل بالغ مسلمانوں کی گواہی کے ہو ہی نہیں سکتا۔ پس ظاہر ہے کہ گواہ کیوں کر اُس کو ایسی حرکت کرنے کی اجازت دیں گے اور خود گواہ بن کر ﴿خَسِرَ الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةَ﴾ ہوں۔ پس یہاں مراد اُن عورتوں کے نکاح سے ہے، جن کی حرمت کا حال کہ و مہ کو معلوم نہیں۔ مثلاً: کسی کی گولی سے بغیر اجازت اُس کے مولیٰ کے نکاح کر لینا یا کسی غلام کا بغیر اذن اپنے مولیٰ کے کسی عورت سے نکاح کرنا یا سالی سے نکاح بحیات اُس کی بہن کے یا کسی ایسی عورت سے نکاح کر بیٹھا، جس کی والدہ سے اُس نے زنا کیا ہو یا شہوت سے اُسے ہاتھ لگایا ہو یا اُس کے فرجِ داخل پر شہوت سے نظر کی ہو یا بہن نسبی کی رضاعی بیٹی سے یا رضاعی بہن کی رضاعی بیٹی سے۔ علیٰ ہذا القیاس اور بہت سی عورتیں ہیں جن سے نکاح ناجائز ہونا عوام کیا، بلکہ بعض خواص کو بھی معلوم نہیں اور انہیں عورتوں سے نکاح کی یہاں مراد ہے اور ایسی عورتوں سے نکاح کا معاملہ وقوع میں آجانا قریب الفہم ہے، نہ وہ جو آپ نے براہِ عداوت یا قصورِ عقل کے سمجھ لیا ہے؛ کیوں کہ ایسی صورت کا وقوع میں آنا گو محالِ عقلی نہیں، مگر محالِ عرفی میں تو کچھ شبہ نہیں۔ اور حدّ امام صاحب کے نزدیک اس لئے واجب نہیں کہ نکاح کرنے سے شبہ پڑ گیا ہے اور نکاح کے شبہ سے حدّ ساقط ہو جاتی ہے۔ چناں چہ ''ترمذی'' و ''دارمی'' میں حضرت عائشہ [رَضِيَ اللهُ تَعَالٰی عَنْهَا] سے روایت ہے:

أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «أَيُّمَا امْرَأَةٍ نَكَحَتْ بِغَيْرِ إِذْنِ وَلِيِّهَا فَنِكَاحُهَا بَاطِلٌ فَنِكَاحُهَا بَاطِلٌ فَنِكَاحُهَا بَاطِلٌ فَإِنْ دَخَلَ بِهَا فَلَهَا الْمَهْرُ بِمَا اسْتَحَلَّ مِنْ فَرْجِهَا». الی آخر الحدیث (1)

یعنی، ہر ایک نابالغہ عورت جو نکاح کرے بغیر اذن اپنے ولی کے، پس نکاح اُس کا باطل ہے، باطل ہے، باطل ہے۔ پس اگر ایسے خاوند نے اُس کو دخول کیا ہے، پس واسطے اُس کے ہے مہر اُس کا، بسبب اُس کے، جو فائدہ پکڑا ہے اُس نے، اُس کی فرج سے۔

(1)۔۔: یہ حدیث مشکوۃ کتاب النکاح، باب الولی کے فصلِ دوُم میں ہے۔ [کتاب النكاح، باب الولي في النكاح واستئذان المرأة، الفصل الثاني، رقم 3131۔2/938]

پس دیکھو! یہ حدیث اس بات پر نصِّ قطعی ہے کہ جب کسی مرد و عورت میں نکاح کا معاملہ وقوع آجائے اور گو اُس نکاح سے نفس الامر میں وہ عورت مرد پر حلال نہ ہو، مگر تاہم اگر وہ اُس سے وطی کر بیٹھے تو مرد پر کوئی حدّ نہیں۔ ورنہ وطی کرنے سے جس طرح حضرت [صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم] نے مرد کو اُس کے مہر ادا کرنے کا مستوجب قرار دیا تھا، اسی طرح اگر وطی سے کوئی وبال بھی اُس پر عائد ہوتا تو ضرور اُس کی بھی حضرت [صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم] ساتھ ہی تصریح فرما دیتے اور نیز! شبہ کی نسبت حضرت [صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم] نے فرمایا ہے کہ شبہ سے حدود ساقط ہو جاتی ہیں، گو وہ شبہ برائے نام ہی ہو۔ چناں چہ ابن عباس [رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ] سے روایت ہے:

قَالَ رَسُولُ صلی اللہ عَلَیْہِ وَسلم: «إِدْرَءُوا الْحُدُودَ بِالشُّبُهَاتِ» (1)

[یعنی، نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: شبہات کی وجہ سے حدود کو دور کرو۔]

اور ابو ہریرہ [رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ] سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ [صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم] نے:

«ادْفَعُوا الْحُدُودَ عَنْ عِبَادِ اللّٰهِ مَا وَجَدْتُمْ لَهُ مَدْفَعًا» (2)

[یعنی، جب تک تمھیں گنجائش ملے، اللہ کے بندوں سے حدود کو ساقط کر دو۔]

اور ترمذی نے عائشہ [رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْهَا] سے روایت کی ہے کہ فرمایا رسولِ خدا [صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم]:

«إِدْرَءُوا الْحُدُودَ عَنِ الْمُسْلِمِينَ مَا اسْتَطَعْتُمْ». (1)

---

(1)۔۔: یہ حدیث مسندِ امامِ اعظم، صفحہ ۲۱۰ میں ہے۔ [مسند أبي حنيفة رواية الحصكفي: كتاب الحدود، بيان درء الحد، رقم 314، ص 459]

(2)۔۔: یہ حدیث ابن ماجہ کے باب الحدود میں ہے۔ [كتاب الحدود، باب الستر على المؤمن ودفع الحدود بالشبهات، رقم 2545] ابن ماجہ میں (عن عباد اللہ) کے الفاظ نہیں مل سکے۔

[یعنی، جہاں تک ہو سکے، مسلمانوں سے حدود کو دور کرو۔]

اس لئے حضرت علی [رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ] نے حیلتاً ایک عورت سے فرمایا کہ:

شاید سوتے میں وہ تیرے اوپر آپڑا یا زبردستی کی ہو یا تیرے مولیٰ نے تیرا نکاح کر دیا ہے اور اُس کو چھپاتی ہے، جیسا کہ "فتح القدیر" میں ہے۔

لیکن اگر وہ جانتا تھا تو اُس کو تعزیر دی جائے گی اور تعزیر تین سوط سے لے کر اُنتالیس سوط تک قاضی کی رائے پر ہے، جیسا گناہ اُس کی رائے میں ہو اُتنے لگائے اور کبھی گناہ سخت میں تعزیر ساتھ قتل کے بھی دی جاتی ہے، جیسا کہ "شامی" کی جلد ثالث کے صفحہ ۱۷۹ میں ہے۔ (2)

اور صاحبین کہتے ہیں کہ:

اگر وہ جانتا تھا کہ وہ عورت مجھ پر حرام ہے تو اُس کو حدّ ماری جائے اور اکثر علما کا اسی پر فتویٰ ہے۔ چناں چہ "درِ مختار" میں لکھا ہے:

وَقَالَا: إِنْ عَلِمَ الْحُرْمَةَ حُدَّ وعليه الفتوى. (3)

[یعنی، صاحبین فرماتے ہیں: اگر وہ حُرمت کو جانتا ہے تو اُسے حدّ لگائی جائے گی اور اسی پر فتویٰ ہے۔]

اور "شامی" میں "مضمرات" سے منقول ہے:

إِذَا تَزَوَّجَ بِمُحَرَّمَةٍ يُحَدُّ عِنْدَهُمَا وَعَلَيْهِ الْفَتْوَى... وَكَذَلِكَ فِي الْفَتْحِ نَقَلَ

جمعیت اشاعت اہلسنت پاکستان

(1)۔۔: یہ حدیث مشکوۃ میں کتاب الحدود کے فصلِ دوُم میں ہے۔ [كتاب الْحُدُود، الْفَصْل الثَّانِي، رقم3570۔1061/2]

(2)۔۔: جلد ثالث، صفحہ ۱۵۴۔ [رد المحتار على الدر المختار: كتاب الحدود، باب الوطئ الذي يوجب الحد، والذي لا يوجبه، 24/4۔25]

(3)۔۔: الدر المختار شرح تنوير الأبصار وجامع البحار: كتاب الحدود، باب الوطئ الذي يوجب الحد، والذي لا يوجبه، 309/1

عَنْ الْخُلَاصَةِ: أَنَّ الْفَتْوَی عَلَی قَوْلِهِمَا. انتھی [1]

[یعنی، جب کوئی، کسی محرّمہ (جس سے نکاح کرنا اُس پر حرام قرار دیا گیا ہے) سے نکاح کرے تو صاحبین کے نزدیک اُسے حدّ لگائی جائے گی۔ . . اسی طرح "فتح" میں "خلاصہ" سے منقول ہے کہ فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے۔]

یہاں سے صاف ثابت ہوا کہ جب عموماً غیر حلال عورت سے نکاح کرکے اُس سے صحبت کرنے پر اُس کو اہلِ حنفیہ کے نزدیک حدّ ماری جائے گی تو محرماتِ ابدیہ سے ایسی حرکت کرنے پر تو وہ ضرور مستحقِ حدّ ہوگا۔ خصوصاً صاحبین کہتے ہیں کہ نکاحِ محرمات پر اگر اُس کو حرمت کا علم تھا تو حدّ واجب ہے اور صاحبین کا ایسا قول خود امام صاحب کا قول ہے، جیسا کہ "میزان الشعرانی" کے صفحہ ۶۴ میں لکھا ہے:

نقل الشيخ كمال الدين بن الهمام عن أَصحاب أَبی حنيفة كأَبی يوسف و محمدو زفر والحسن أَنهم كانوا يقولون:

ما قلنا فی مسئلة قولاً إِلا وهو روايتنا عن أَبی حنيفة و أَقسموا علىٰ ذالک أَيماناً مغلظةً...

فعلم أَنّ من أَخذ بقول واحد من أَصحاب أَبی حنيفة فهو آخذ بقول أَبی حنيفة رضی اللّٰہ عنه. انتهی ملخّصاً [2]

[شیخ کمال الدین ابن ہمام، اصحابِ امام اعظم ابو حنیفہ جیسا کہ امام ابویوسف، امام محمد، امام زفر اور امام حسن [رَحِمَھم اللّٰہُ] سے نقل کرتے ہیں۔ یہ حضرات یمینِ مغلّظہ کھا کر کہا کرتے تھے:

ہم کسی مسئلہ کے بارے میں کوئی قول نہیں کرتے، مگر یہ کہ وہ امام اعظم [عَلَیْه الرَّحْمَه] سے مروی ہوتا ہے۔

تو معلوم ہوا کہ جو کوئی امامِ اعظم ابو حنیفہ [عَلَیْه الرَّحْمَه] کے اصحاب میں سے کسی

(1)۔۔: جلد ثالث، صفحہ ۱۵۴۔ [رد المحتار علی الدر المختار: كتاب الحدود ،باب الوطئ الذي يوجب الحد ،والذي لا يوجبه ،24/4]

(2)۔۔: [كتاب الميزان: فصول فی بيان ماورد فی ذم الرای عن الشارع وعن اصحابه....، 209/1]

صاحب کے قول پر عمل کرے گا، وہ در حقیقت امامِ اعظم ابو حنیفہ[عَلَیْه الرَّحْمَه] کے قول پر ہی عمل کرنے والا ہو گا۔]

قولہ:

"ہدایہ" کے صفحہ ۱۲۵ میں لکھا ہے کہ:

امام اعظم کے نزدیک جھوٹے گواہ گزار کر پرائی عورت کے لے لینے اور اُس سے صحبت کرنے والے پر گناہ نہیں۔ انتہی

جواب:

کچھ تو خدا کا خوف کرو! یہاں پرائی عورت کہاں لکھی ہے، جو آپ نے ایک نیا رنگ دے کر بیان کیا ہے، تاکہ عوام ناواقف فقہ سے جلد بے دل ہو جائیں۔ البتہ اردو "شرح وقایہ" کے جلد سِوُم صفحہ ٦٩ میں اس طرح پر لکھا ہے کہ:

اگر مثلاً مدّعی نے ایک عورت پر دعویٰ نکاح کا کیا یعنی، یہ میری منکوحہ ہے اور عورت نے انکار کیا، تب مدّعی نے جھوٹے گواہ پیش کر دیئے نکاح کے قاضی کے پاس تو قاضی عورت کو مدّعی کے سپرد کرے اور عورت سے کہے کہ تو اپنی ذات پر قدرت دے زوج کو اور نفقہ وغیرہ لوازمِ زوجیّت کا حکم کرے۔ پس امام اعظم[عَلَیْه الرَّحْمَه] کے نزدیک مرد کو وطی اور عورت کو شوہر کا اپنے اوپر قادر کرا دینا عند اللہ حلال ہے۔ انتہی(1)

اس کے بعد امام صاحب کے قول پر "بحر الرائق" سے شبہ وارد کرکے پھر اُس کا جواب اس طرح پر نقل کیا ہے:

امام ابو حنیفہ[عَلَیْه الرَّحْمَه] کے قول پر یہ اشکال ہے کہ حرامِ محض کس طرح سبب ہو گا حلّت کا فیمابینہ وبین اللہ۔ سو جواب اس کا یہ ہے کہ:

ہم نے حرامِ محض یعنی، شہادتِ دروغ کو اس جہت سے کہ وہ دروغ ہے، سبب حلّت کا نہیں کیا، بلکہ حکم قاضی کا مثل انشائے عقدِ جدید کے ہے اور انشائے عقد حرام نہیں ہے، بلکہ واجب ہے؛ کیوں کہ قاضی دروغ گوئی شہود کو نہیں جانتا۔ اور امام صاحب

---

(1)۔۔:[ترجمہ اردو "شرح وقایہ"]

کی دلیلِ نقلی وہ ہے جس کو ذکر کیا امام محمد [عَلَیْه الرَّحْمَه] نے "مبسوط" میں کہ پہنچا ہم کو حضرت علی [رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْه] سے کہ ایک شخص نے اُن کے پاس گواہ قائم کر دیئے ایک عورت کے نکاح پر اور عورت نے انکار کیا تو حضرت علی [رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْه] نے حکم دیا عورت کو کہ جائے مرد پاس تو کہا عورت نے کہ اس مرد نے نہیں نکاح کیا ہے مجھ سے، اب اگر آپ نے ایسا ہی حکم کیا ہے تو آپ نکاح پڑھوا دیجئے؟ حضرت علی [رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْه] نے فرمایا کہ میں نہیں تجدید کرتا نکاح کی، نکاح کر دیا تیرا دونوں شاہدوں نے۔ پس اگر دونوں میں نکاح منعقد نہ ہو جاتا آپ کی قضا سے تو آپ تجدیدِ نکاح سے منع نہ کرتے باوجودیکہ عورت طالب تھی نکاح کی اور مرد راغب تھا اور اس میں محفوظ رہتے دونوں زنا سے۔ انتہی (1)

پس فقہ کے اس مسئلہ کو مردود کہنا معاذاللہ بعینہ حضرت علی [رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْه] کے حکم کو مردود کہنا ہے۔

اور وہ جو آپ نے "ظفر مبین" میں لکھا ہے کہ:

"امام محمد نے یہ حدیث بلا اسناد بیان کی ہے اور اس لئے حجّت نہیں ہو سکتی۔"

سو یہ بالکل دروغ بے فروغ ہے؛ کیوں کہ امام محمد [عَلَیْه الرَّحْمَه] کی وہ احادیث جن کو اُنہوں نے لفظِ بَلَغَنَا (یعنی، پہنچا ہم کو) سے بیان کیا ہے، مسند ہیں۔ چناں چہ "شامی" میں لکھا ہے:

بَلَاغَاتُ مُحَمَّدٍ -رَحِمَهُ اللّٰهُ- مُسْنَدَةٌ. (2)

[یعنی، بلاغاتِ امام محمد عَلَیْه الرَّحْمَه قابلِ اسناد ہیں۔]

اور نیز لکھا ہے:

الْمُجْتَهِدُ إِذَا اسْتَدَلَّ بِحَدِيثٍ كَانَ تَصْحِيحًا لَهُ. (3)

---

(1)۔۔: [ترجمہ اردو "شرح وقایہ"]

(2)۔۔: جلد دوُم، صفحہ ۵۷۶۔ [ردالمحتار علی الدر المختار: کتاب الطلاق، باب الظهار، 469/3]

(3)۔۔: جلد رابع، صفحہ ۳۷۔ [ردالمحتار علی الدر المختار: کتاب البیوع، مطلب کل ما دخل تبعا لا یقابله شيء من الثمن، 553/4]

[یعنی، مجتہد جب کسی حدیث سے استدلال کرے تو یہ اس حدیث کی صحت کی دلیل ہے۔]

اور یہ کہنا کہ:

"صحبت کرنے والے پر گناہ نہیں۔"

بالکل جھوٹ ہے؛ کیوں کہ "بحر الرائق" میں لکھا ہے:

لَا يَلْزَمُ مِنَ الْقَوْلِ بِحِلِّ الْوَطْءِ عَدَمُ إِثْمِهِ فَإِنَّهُ أَثِمَ بِسَبَبِ إِقْدَامِهِ عَلَى الدَّعْوَى الْبَاطِلَةِ وَإِنْ كَانَ لَا إِثْمَ عَلَيْهِ بِسَبَبِ الْوَطْءِ وَأَثِمَ الشَّاهِدَانِ آثِماً عَظِيْماً. (1)

یعنی، حلال ہونے وطی سے یہ لازم نہیں کہ وہ گناہ گار بھی نہ ہو گا، پس تحقیق وہ گناہ گار ہے، سبب پیش کرنے جھوٹے دعویٰ کے، اگرچہ نہیں گناہ اُس پر سبب وطی کے اور گناہ گار ہوں گے دونوں گواہ، جنہوں نے جھوٹی گواہی دی، بڑے گناہ گار۔

قولہ:

"ہدایہ" جلد اوّل کے صفحہ ۵۷۸ میں لکھا ہے کہ:

ذمی جزیہ دینے والا اگر ہمارے پیغمبر کو گالی دے تو امام اعظم و امام ابو یوسف و محمد کے نزدیک اُس کا عہد ذمی کا نہیں ٹوٹتا، اُس کو قتل نہ کرنا چاہیئے۔

جواب:

یہ اُس صورت میں ہے کہ جب ذمی ظاہر میں یا بطورِ عادت کے گالیاں نہیں دیتا؛ کیوں کہ حضرت کو گالی دینا کفر ہے اور ذمی میں کفر پہلے ہی موجود ہے۔ پس جب اُس کا کفرِ قدیم مانع اُس کے ذمی ہونے سے نہ ہوا تو کفرِ طاری جو بحالتِ ذمی اُس سے صادر ہوا، وہ کیوں اُس کے عہد کو توڑ ڈالے گا، لیکن باوجود اس کے بھی امام صاحب قائل ہیں کہ اُس کو تعزیر دی جائے۔ چناں چہ "درِ مختار" میں لکھا ہے:

وَيُؤَدَّبُ الذِّمِّيُّ وَيُعَاقَبُ عَلَى سَبِّهِ دِيْنِ الْإِسْلَامِ أَوِ الْقُرْآنَ أَوِ النَّبِيَّ - صَلَّى اللهُ

---

(1)۔۔:[البحر الرائق شرح كنز الدقائق: كتاب النكاح، فصل في المحرمات، 116/3][البتہ یہ عبارت (وَأَثِمَ الشَّاهِدَانِ آثِماً عَظِيْماً) بحر میں نہیں مل سکی۔]

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - حَاوِيٌّ وَغَيْرُهُ قَالَ الْعَيْنِيُّ: وَاخْتِيَارِي فِي السَّبِّ أَنْ يُقْتَلَ وَتَبِعَهُ ابْنُ الْهُمَامِ. قُلْت: وَبِهِ أَفْتَى شَيْخُنَا الْخَيْرُ الرَّمْلِيُّ. انتهى [1]

[یعنی، ذمی کو دینِ اسلام یا قرآن یا نبی صَلَّى اللهُ تَعَالٰی عَلَيْهِ وَسَلَّم کی شان میں نازیبا کلمات کہنے کی وجہ سے تادیباً سزا دی جائے گی اور خوب پکڑ ہو گی، حاوی وغیرہ میں اسی طرح ہے۔ حافظ بدرالدین عینی عَلَيْه الرَّحْمَه فرماتے ہیں کہ ذمی کے گالی دینے کی صورت میں میری رائے یہی ہے کہ اسے قتل کر دیا جائے۔ امام ابن الہمام عَلَيْه الرَّحْمَه کی رائے بھی اسی طرح ہے۔ میں (علاء الدین حصکفی) کہتا ہوں: یہی فتویٰ ہمارے شیخ خیر الرملی نے دیا ہے۔]

اور ''شامی'' میں ہے:

لَا يَلْزَمُ مِنْ عَدَمِ النَّقْضِ عَدَمُ الْقَتْلِ، وَقَدْ صَرَّحُوا قَاطِبَةً بِأَنَّهُ يُعَزَّرُ عَلَى ذَلِكَ، وَيُؤَدَّبُ وَهُوَ يَدُلُّ عَلَى جَوَازِ قَتْلِهِ زَجْرًا لِغَيْرِهِ إذْ يَجُوزُ التَّرَقِّي فِي التَّعْزِيرِ إلَى الْقَتْلِ، إذَا عَظُمَ مُوجِبُهُ. انتهى [2]

[یعنی، ذمی کا عہد نہ ٹوٹنے سے اُس کے قتل کا جائز ہونا لازم نہیں آتا۔ تمام مشائخ کرام نے اس امر کی تصریح کی ہے کہ ایسا ذمی تعزیر کیا جائے۔ تعزیر و تادیب کیا جانا اُس کے قتل کے جائز ہونے پر دلالت کرتا ہے، جب اس سے اوروں کی تنبیہ مقصود ہو؛ کیوں کہ جب جرم بڑا ہو تو تعزیر قتل کے ساتھ بھی جائز ہے۔]

لیکن اگر ذمی ظاہر میں گالی دے اور یا گالی دینے میں معتاد ہو گیا ہو تو بالاتفاق قتل کیا جائے۔ چناں چہ ''شامی'' میں لکھا ہے:

---

(1)۔۔:[الدر المختار شرح تنوير الأبصار وجامع البحار: كتاب الجهاد، باب العشر والخراج والجزية، 343/1]

(2)۔۔: جلد ثالث، صفحہ ۲۷۱۔[رد المحتار على الدر المختار: كتاب الجهاد، باب العشر والخراج والجزية، مطلب فيما ينتقض به عهد الذمي وما لا ينتقض، 215/4]

فَلَوْ أَعْلَنَ بِشَتْمِهِ أَوْ اعْتَادَهُ قُتِلَ، وَلَوْ امْرَأَةً وَبِهِ يُفْتَى الْيَوْمُ. انتهى (1)

[یعنی، اگر وہ علانیہ گالی دے یا ایسا کرنا اس کی عادت ہو تو اسے قتل ہی کیا جائے گا، چاہے وہ عورت ہی کیوں نہ ہو اور آج کے دور میں فتویٰ اسی پر ہے۔]

قولہ:

''چلپی حاشیہ شرح وقایہ'' کے صفحہ ۲۹۸ میں بحوالہ محیط لکھا ہے کہ:

''خرچی عورت زانیہ کی امام اعظم کے نزدیک حلال اور طیّب ہے۔''

جواب:

یہاں تو آپ بسبب نہ سمجھنے عبارتِ ''چلپی'' اور غلط ترجمہ کرنے کے صریحاً ضَلُّوْا وَاَضَلُّوْا کے مصداق بنے، جس کی نسبت مجھ کو مجبوراً یہ کہنا پڑتا ہے:

عالموں کے دماغ کو پہنچے
جاہل اتنا ترا دماغ کہاں

کیوں کہ ''چلپی'' کی اصل عبارت جس کو اُس نے اجارہ فاسدہ میں لکھا ہے، اس طرح پر ہے:

أَن ما أَخذته الزانية إِن كان بعقد الإِجارة فحلال عند الأَعظم؛ لأَن أَجْرَ المثل طيب وإِن كان السببُ حراماً. (2)

یعنی، جو چیز کہ لے عورت زنا کرنے والی، اگر ہے ساتھ عقدِ اجارہ کے، پس حلال ہے نزدیک امام اعظم کے؛ کیوں کہ مزدوری مثل کی طیب ہے، اگرچہ سبب حرام ہے۔

پس اگر آپ اجارہ فاسد اور اجارہ باطل کو سمجھتے تو کبھی اس عبارت سے اجارہ باطل پر اجارہ فاسد کو محمول کرکے خرچی کی صورت جو اجارۂ باطلہ ہے، قائم نہ کرتے؛ کیوں کہ

---

(1)۔۔: جلد ثالث، صفحہ ۲۷۸۔ [رد المحتار على الدر المختار: كتاب الجهاد، باب العشر والخراج والجزية، مطلب في سكنى أهل الذمة بين المسلمين في المصر، 213/4]

(2)۔۔: [حاشية الجلپي على شرح الوقاية: كتاب الاجارة، باب الاجارة الفاسدة، حاشيه نمبر 4، ص298]

تمام فقہا اس پر متّفق ہیں کہ اجارہ فاسد وہ ہے جو اصل میں مشروع ہو اور کسی شرط کے لگا دینے سے اس میں فاسد آجائے اور اجارہ فاسد کا یہ حکم ہے کہ جب مستاجر اُس سے منفعت حاصل کرلے تو اجرتِ مثل واجب ہو گی اور اجارہ باطل اُس کو کہتے ہیں کہ جو اصل میں ہی غیر مشروع ہو اور اس امر پر بھی سب کا اتّفاق ہے کہ جس اجارہ کا معقود علیہ معصیّت ہو گا وہ باطل ہو گا، نہ فاسد۔ پس ان قواعد کے محقّق و متّفق علیہ ہونے کے بعد کون عقل مند وعالم زنا کی اُجرت کو حلال کہہ سکتا ہے، خصوصاً امامِ اعظم جیسے محتاط و پرہیز گار کی طرف اس کو منسوب کرنا نہایت ظلم ہے، جن کے ورع و تقویٰ کا ادنیٰ بیان یہ ہے کہ عبد اللہ بن مبارک کہتے ہیں کہ:

ایک دفعہ کوفہ کی بکریوں میں ایک لُوٹ کی بکری مل گئی، پس امام ابو حنیفہ نے سات سال تک جو زیادہ سے زیادہ بکری کے کی عمر ہوتی ہے، گوشت کا کھانا ترک کر دیا۔[1]

حالاں کہ خرچی زانیہ کی تو بالاتّفاق اُن کے نزدیک حرام ہے۔ چناں چہ نووی نے "شرح مسلم" میں لکھا ہے:

أَمَّا مَهْرُ الْبَغِيِّ فهو ما تأخذه الزانية على الزنى وَسَمَّاهُ مَهْرًا لِكَوْنِهِ عَلَى صُورَتِهِ وَهُوَ حَرَامٌ بِإِجْمَاعِ الْمُسْلِمِينَ.[2]

یعنی، خرچی زانیہ کی پس وہ شے ہے کہ جس کو زانیہ بعوض زنا کے لے اور اُس کا نام اس لئے مہر رکھا ہے کہ وہ بصورتِ مہر ہے اور حرمت اُس کی تمام مسلمانوں کے نزدیک بالاجماع ہے۔

اور ترجمہ اردو "مشارق الانوار" میں لکھا ہے:

---

(1)۔۔: دیکھو کتاب روض الاخیار المنتخب من ربیع الابرار، صفحہ ۱۵۶، مطبوعہ مصر۔[روض الأخيار المنتخب من ربيع الأبرار: الروضة العشرون في الصبر وضبط النفس والعفاف والورع والحلال والحرام، ص211]

(2)۔۔: صفحہ ۱۹، جلد دُوُم۔[المنهاج شرح صحيح مسلم بن الحجاج: كتاب البيوع، باب تحريم ثمن الكلب وحلوان الكاهن ومهر البغي، تحت رقم 1567۔231/10]

اور خرچی بالاتّفاق حرام ہے۔ انتہیٰ[1]

پس صاحبِ "چلپی" و"محیط" کے وہ معنیٰ مراد نہیں جو آپ نے سمجھے ہیں، بلکہ ایسے معنیٰ ہیں جس سے اجارہ فاسد کی صورت پیدا ہو؛ کیوں کہ وہ تو خود ہی اجارہ فاسد میں کلام کرتے ہیں اور حلّتِ اُجرت کے در صورتِ فساد قائل ہوئے ہیں، نہ در صورتِ بُطلان۔ پس ان کا یہ مطلب ہے کہ کسی عورت کو اُس کے منافعِ خدمت پر ایّامِ معیّن میں اجارہ لیا اور یہ بھی شرط کرلی کہ ان ایّام میں زنا بھی کروں گا۔ مثلاً: کوئی شخص کسی عورت کو روٹی پکانے پر دس روپیہ کو لے اور یہ بھی شرط کرے کہ تجھ سے صحبت بھی کروں گا سو اصل معقود علیہ خدمت ہے جو امر حلال ہے اور جو شرط حرام اس کے ساتھ مل گئی ہے پس یہ اجارہ فاسد ہے نہ باطل اس صورت میں فقط اُجرت مثل روٹی پکانے کی اُجرت جو امر مباح ہے دو تین روپیہ اس کو دِلائے جائیں گے۔ ہاں! اگر کُل دس روپیہ دلائے جاتے تو حرام ہوتے؛ کیوں کہ ان میں زنا کی اُجرت بھی شامل تھی، سو ایسا یہاں بالکل نہیں۔

قولہ:

"ہدایہ" مترجم فارسی کے صفحہ ۱۳۱ اور "شرح وقایہ" کے صفحہ ۳۴۶ میں لکھا ہے کہ:

قوّت حاصل کرنے کے لئے اس قدر شراب پی لینی جائز ہے کہ نشہ نہ کرے۔

جواب:

کیوں ایمان کو بالائے طاق رکھ کر صریح جھوٹ بولتے ہو؟ وہاں تو یہ عبارت لکھی ہے:

وعصير العنب إذا طبخ حتى ذهب ثلثاه وبقي ثلثه حلال وإن اشتد.[2]

یعنی، شیرہ انگور کا جب پکایا جائے، یہاں تک کہ اس کی دو تہائی جل جائے اور ایک

(1)۔۔: صفحہ ۴۶۱، مطبوعہ نظامی۔

(2)۔۔: [الهداية في شرح بداية المبتدي: كتاب الأشربة، 397/4]

تہائی رہ جائے تو حلال ہے اور اگرچہ وہ سخت ہو جائے۔ انتہی

سو یہ مطابق ان احادیث کے ہے جو عینی نے "شرح کنز" کی کتاب الاشربہ میں لکھا ہے:

لما روی عن أبی موسی رضی اللہ عنه أنه کان یشرب من الطلاء ما ذهب ثلثاه وبقي الثلث رواه النسائی وله مثله عن أبی الدرداء رضی اللہ عنه. وقال البخاری: رأی عمر وأبو عبیدة ومعاذ رضی اللہ عنهم شرب الطلاء علی الثلث وشرب البراء وأبو جحیفة رضی اللہ عنهما علی النصف، وقال أبو داؤد: سألت أحمد عن شرب الطلاء إذا ذهب ثلثاه وبقي ثلثه، فقال: لا بأس به، قلت: إنهم یقولون إنه یسکر، فقال: لا یسکر لو کان لما أحله عمر رضی اللہ عنه. انتهی (1)

یعنی، روایت کی گئی ہے ابو موسیٰ اشعری [رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ] سے کہ وہ پیا کرتے تھے طلاء (2) سے جب دو تہائی جل کر ایک تہائی باقی رہ جاتا تھا۔ روایت کیا اس حدیث کو نسائی نے اور مثل اس کے ابو الدرداء [رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ] سے بھی روایت کی گئی ہے اور امام بخاری نے کہا کہ حضرت عمر، ابو عبیدہ اور معاذ [رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہم] نے طلاء کا پینا جائز کیا ہے، جب کہ ایک تہائی جل جائے، پیا حضرت براء اور ابو جحیفہ نے نصف تک جل جانے پر۔ اور کہا ابو داؤد نے: میں نے امام احمد سے طلاء کے پینے کے بارے میں سوال کیا، جب کہ دو تہائی جل کر ایک تہائی باقی رہ جائے، آپ نے فرمایا کہ اس کے پینے میں کچھ مضائقہ نہیں۔ اس پر میں نے کہا کہ لوگ کہتے ہیں کہ وہ نشہ کرتا ہے؟ آپ نے کہا کہ کوئی نشہ نہیں کرتا، اگر کوئی نشہ کرتا تو کبھی حضرت عمر [رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ] اُس کو حلال نہ کرتے۔

اور امام محمد نے "مؤطا" میں حضرت عمر [رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ] کی حدیث کو بیان کر کے اُس کے نیچے اس طرح پر لکھا ہے:

---

(1)۔۔: صفحہ ۳۵۳، مطبوعہ ناصری۔ [شرح العینی علی کنز الدقائق المسمی به رمز الحقائق: کتاب الاشربة، النوع الرابع، الجزء الثانی، ص 220]

(2)۔۔: [طلاء: شہد سے بنے شیرے / شراب کو طلاء کہا جاتا ہے۔]

وَبِهَذَا نَأْخُذُ، لا بَأْسَ بِشُرْبِ الطِّلاءِ الَّذِي قَدْ ذَهَبَ ثُلُثَاهُ وَبَقِيَ ثُلُثُهُ، وَهُوَ لا يُسْكِرُ، فَأَمَّا كُلُّ مُعَتَّقٍ يُسْكِرُ فَلا خَيْرَ فِيهِ. (1)

[یعنی، ہمارا یہ مذہب ہے کہ ایسی طلاء پینے میں کوئی حرج نہین، جس کو پکا کر دو تہائی ختم کر دیا گیا ہو اور ایک تہائی باقی رہ گئی ہو اور وہ نشہ آور نہ ہو، لیکن ہر پرانی شراب جو نشہ لاتی ہو، اس میں کوئی خیر و بھلائی نہیں ہے۔]

اور اس طلاء کا پینا بھی انہی لوگوں کو جائز ہے جو لہو ولعب کی غرض سے نہ پیتے ہوں، بلکہ محض عبادت وشب بیداری کے لئے۔ چناں چہ شیخ عبدالحق محدّثِ دہلوی نے "شرح مشکوۃ" میں لکھا ہے:

و این نیز وقتے است که بنوشد آنرا برائے تقویت پر عبادت کذا فی الہدایه و ذکر کرده است امام ابو یوسف در "امالی"خود اگر خواہد که بنوشد برائے فسق و فجور و تلہی پس قلیل و کثیر آن حرام است۔ انتہی، ملخصاً (2)

[اور یہ اُس وقت ہے جب عبادت پر قوّت حاصل کرنے کے لیے پیئے جیسا کہ ہدایہ میں ہے۔ اور حضرت امام ابو یوسف عَلَیْہِ الرَّحْمَہ نے " امالی" میں بیان کیا ہے: اگر فسق وفجور اور تلہی کے لیے خود پینا چاہتا ہے تو اُس کا قلیل وکثیر حرام ہے۔]

پس اس شیرہ کو شراب بیان کر کے مردود کہنا صریح دھوکہ دہی اور اصحاب رسولِ خدا کو مردود کہنا ہے۔ نعوذ باللہ

قولہ:

"ہدایہ" جلد دُوم کے صفحہ ۴۸۳ میں لکھا ہے کہ:
شراب کا سرکہ بنانا اور اس کا کھانا، پینا حلال ہے۔ انتہی

---

(1)۔۔: صفحہ ۱۸۹، مطبوعہ، لودھیانہ۔[موطأ مالك برواية محمد بن الحسن الشيباني: باب: نبيذ الطلاء، تحت رقم 721۔251/1]

(2)۔۔: جلد سِوُم، صفحہ ۱۵۶، مطبوعہ، مصطفائی۔[اشعة اللمعات شرح مشكوة: كتاب الحدود، باب بيان الخمر ووعيد شاربها، 291/3]

جواب:

یہ کچھ حنفیہ کا ہی مذہب نہیں، بلکہ امام اوزاعی اور لیث کا بھی یہی مذہب ہے۔[1]

عینی نے "کنز" کی شرح میں لکھا ہے کہ اس میں ہماری دلیل قول اللہ کا ہے:

﴿اُحِلَّ لَکُمُ الطَّیِّبٰتُ﴾[پ:٦، المائدہ،٤]

[حلال کی گئیں تمہارے لئے پاک چیزیں۔]

اور تحقیق عین شراب کا متغیر ہو گیا ہے اور سرکہ بالطبع پاک ہوتا ہے، پس حلال ہو گا۔

اور دوسرا قول ہے:

«نِعْمَ الْإِدَامُ الْخَلُّ» رواہ مسلم

یعنی، اچھا نان خورِش سرکہ ہے۔

اور یہ مطلق ہے، پس شامل ہو گا اُس کی تمام صورتوں سے اور مراد نہی سے جو حدیثِ انس میں مسلم نے روایت کی ہے، یہ ہے کہ شراب کا استعمال سرکہ سا ہو، بایں طور کہ اُس سے نفع مثل سرکہ بطور نان خورش بنانے کے لیا جائے۔ علاوہ اس کے یہ محمول ہے اس پر کہ یہ ممانعت ابتدائے اسلام میں تھی، جب کہ آں حضرت[صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم] خمر کی بابت مبالغہ فرماتے تھے اور زجر کرتے تھے واسطے چھوڑا دینے عادت مالوفہ کے۔ انتہی ملخصاً[2]

شیخ عبد الحق محدّث نے "شرح مشکوۃ" میں لکھا ہے:

و نہی ازآں اگر بود در ابتدائے امر بود بجہت قمع آثارِ خمر۔ اما بعد طولِ عہد حرام نباشد و روایت میکند که"خیر خلکم خل

---

(1)۔۔:۔حاشیہ ابو داؤد، جلد دوم، صفحہ ١٦١۔

(2)۔۔:صفحہ ٢٥٣، کنز کلاں، مطبوعہ ناصری۔[شرح العینی علی کنز الدقائق المسمی بہ رمز الحقائق: کتاب الاشربة، النوع الرابع، الجزء الثانی، ص220]

خمرکم"بہترین سرکه شما سرکه خمر است۔ انتہی[1]

[اس پر اگر نہی وارد ہوئی بھی ہے تو وہ حکمِ حرمت کے ابتدائی دور میں شراب کے آثار جڑ سے اُکھاڑنے کے لیے تھی اور ایک لمبا زمانہ گزرنے کے بعد حرام نہیں تھی اور روایت کی گئی ہے کہ "تمہارے سرکوں میں بہترین سرکہ وہ ہے، جو شراب سے بنا ہو"۔]

قولہ:

فتاویٰ "قاضی خان" جلد اوّل کے صفحہ ۱۰۰ میں لکھا کہ:

تسکین کی نیت سے مشت زنی کرنے میں گناہ نہیں۔

جواب:

کتاب کا مطلب تو بالکل سمجھتے نہیں اور اعتراض کرنے کو فوراً تیار ہو جاتے ہو۔

فہم سخن گر نکند مستمع

قوت طبع از متکلم مجو

ہمارے علما مشت زنی کو حرام لکھتے ہیں۔ چناں چہ "شامی" میں لکھا ہے:

وَيَدُلُّ أَيْضًا عَلَى مَا قُلْنَا مَا فِي الزَّيْلَعِيِّ حَيْثُ اسْتَدَلَّ عَلَى عَدَمِ حِلِّهِ بِالْكَفِّ بِقَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ﴾ [المؤمنون:۵] الْآيَة، وَقَالَ: فَلَمْ يُبِحْ الِاسْتِمْتَاعَ إلَّا بِهِمَا أَيْ بِالزَّوْجَةِ وَالْأَمَةِ.[2]

[(علامہ شامی فرماتے ہیں:) جو ہم نے کہا، اس پر زیلعی کی عبارت بھی دلالت کرتی ہے، اس طرح کہ علامہ زیلعی نے کف (مشت) کے ساتھ اس فعل کے حلال نہ ہونے پر اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے استدلال کیا ہے:

---

(1)۔۔: جلد ثالث، صفحہ ۱۵۷، مطبوعہ مصطفائی، دہلی۔ [اشعة اللمعات شرح مشکوة: کتاب الحدود، باب بیان الخمر ووعید شاربها، الفصل الاوّل، 293/3]

(2)۔۔: جلد دوم، صفحہ ۱۰۰۔ [رد المحتار علی الدر المختار: کتاب الصوم، باب ما یفسد الصوم وما لا یفسده، 399/2]

﴿وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ﴾[المؤمنون:۵]الْآيَةُ
یعنی،وہ لوگ جو اپنے شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں۔
اور فرماتے ہیں:تو استمتاع(نفع اُٹھانا،جماع کرنا)انہیں دونوں (زوجہ اور لونڈی)سے مباح ہو گا۔]

لیکن جو شخص عورت نہ رکھتا ہو اور بسبب غلبہ ٔشہوت کے،یہ خوف کرتا ہو کہ اگر میں نے ہاتھ سے انزال نہ کیا تو مجھ سے زنا واقع ہو جائے گا تو اس کے لئے بعض علماء نے لکھا ہے کہ اگر وہ ہاتھ سے انزال کرتا ہے تو ہم امید کرتے ہیں کہ شاید گناہ گار نہ ہو۔چناں چہ "درِمختار" میں لکھا ہے:

وَلَوْ خَافَ الزِّنٰى يُرْجَى أَنْ لَا وَبَالَ عَلَيْهِ.انتهى (1)

[اور اگر زنا کا خوف ہو تو امید کی جاتی ہے کہ اس پر کوئی وبال(گناہ)نہ ہو۔]

اور "شامی" میں لکھا ہے:

فَإِنْ غَلَبَتْهُ الشَّهْوَةُ فَفَعَلَ إِرَادَةَ تَسْكِيْنِهَا بِهٖ فَالرَّجَاءُ أَنْ لَا يُعَاقَبَ...وَأَمَّا إِذَا فَعَلَهٗ لِاسْتِجْلَابِ الشَّهْوَةِ فَهُوَ آثِمٌ.ملخّصاً (2)

[یعنی،اگر کسی کو شہوت غالب ہوئی،اُس نے اس سے چھٹکارا پانے کے ارادہ سے یہ فعل کیا تو امید ہے کہ عذاب وعقاب نہیں کیا جائے گا...ہاں!اگر شہوت لانے کے لیے مشت زنی کرتا ہے تو پھر یہ گناہ گار ہو گا۔]

بلکہ ایسی غلبہ ٔشہوت کی حالت میں جب کہ بسبب عدم مقدّماتِ نکاح کے زنا کے واقع ہونے کا-جو اشدّ گناہ ہے-خوف ہو،تو ایسے وقت میں بقولِ مشہور"إِذَا ابْتَلِيْتَ بِبَلِيَّتَيْنِ فَاخْتَرْ أَهْوَنَهُمَا"ہاتھ سے انزال کر ڈالنا جو بہ نسبت زنا کے اخفّ،بلکہ پاسنگ بھی نہیں،صرف مباح ہی نہیں،بلکہ واجبات سے ہے،جیسا کہ شامی میں لکھا ہے۔البتہ

(1)۔۔:[الدر المختار شرح تنوير الأبصار وجامع البحار: كتاب الصوم،باب ما يفسد الصوم وما لا يفسده،146/1]

(2)۔۔:جلد دوم،صفحہ ۱۰۰۔[رد المحتار على الدر المختار: كتاب الصوم،باب ما يفسد الصوم وما لا يفسده،399/2]

اس کا معتاد ہونا «نَاکِحُ الْیَدِ مَلْعُونٌ» کا مصداق بننا ہے۔ پس اس مسئلہ پر اعتراض کرنا نعوذ باللہ گویا زنا کی ترغیب دینا ہے۔[1]

(1)۔۔:[امامِ اہلِ سنت امام احمد رضاخان حنفی قادری علیہ الرحمہ سے اس بارے میں سوال ہوتا ہے، سوال مع الجواب ملاحظہ ہو:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ کہ زلخ لگانے کا اللہ پاک کیا گناہ فرماتا ہے؟ بینوا توجروا

الجواب:

یہ فعل ناپاک حرام وناجائز ہے، اللہ جلّ وعلا نے اس حاجت کے پورا کرنے کو صرف زوجہ وکنیز شرعی بتائی ہیں اور صاف ارشاد فرمادیا ہے کہ:

﴿فَمَنِ ابْتَغٰی وَرَآءَ ذٰلِکَ فَاُولٰٓئِکَ هُمُ الْعَادُوْنَ﴾[پ:۲۹، المعارج، ۳۱]

جو اس کے سوا اور کوئی طریقہ ڈھونڈھے تو وہی لوگ ہیں حد سے بڑھنے والے۔

حدیث میں ہے: «نَاکِحُ الْیَدِ مَلْعُونٌ» جلق لگانے والے پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے۔

ہاں! اگر کوئی شخص جوان تیز خواہش ہو کہ نہ زوجہ رکھتا ہو، نہ شرعی کنیز اور جوشِ شہوت سخت مجبور کرے اور اس وقت کسی کام میں مشغول ہو جانے یا مردوں کے پاس جابیٹھنے سے بھی دل نہ بٹے، غرض کسی طرح وہ جوش کم نہ ہو، یہاں تک کہ یقین یا ظن غالب ہو جائے کہ اس وقت اگر یہ فعل نہیں کرتا تو حرام میں گرفتار ہو جائے گا تو ایسی حالت میں زنا ولواطت سے بچنے کے لئے صرف بغرض تسکین شہوت، نہ کہ بقصد تحصیل لذت وقضائے شہوت، اگر یہ فعل واقع ہو تو امید کی جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ مواخذہ نہ فرمائے گا۔ پھر اس کے ساتھ ہی واجب ہے کہ اگر قدرت رکھتا ہو، فوراً نکاح یا خریداری کنیز شرعی کی فکر کرے، ورنہ سخت گنہ گار ومستحق لعنت ہوگا۔ یہ اجازت اس لئے نہ تھی کہ اس فعل ناپاک کی عادت ڈال لے اور بجائے طریقہ پسندیدہ خدا ورسول اسی پر قناعت کرے۔

طریقہ محمدیہ میں ہے: اما الاستمناء فحرام الا عند شروط ثلثة: ان یکون عزب وبه شبق وفرط شهوة (بحیث لو لم یفعل ذٰلک لحملته شدة الشهوة علی الزناء او اللواط والشرط الثالث: ان یرید به تکسین الشهوة لاقضائها، مزیدا من شرحها الحدیقة الندیة.[مشت زنی حرام ہے مگر تین شرائط کے ساتھ جواز کی گنجائش ہے: (۱) مجرد ہو اور غلبہ شہوت ہو (۲) شہوت اس قدر غالب ہو کہ بدکاری زناء یا لونڈے بازی وغیرہ کا اندیشہ ہو (۳) تیسری شرط یہ ہے کہ اس سے محض تسکین شہوت مقصود ہو نہ کہ حصول لذت۔

قولہ:

فتاویٰ ”قاضی خان“ جلد چہارم کے صفحہ ۳۶۴ میں لکھا ہے کہ:

اگر پیشاب کے ساتھ قرآن لکھ لے اور اگر مردار کی کھال پر قرآن لکھ لے تو بھی مضائقہ نہیں۔

اور ”ردّالمختار شرح درالمختار“ جلد اوّل کے صفحہ ۱۴۰ میں لکھا ہے کہ:

اگر کسی کی نکسیر پھوٹے، پس لکھے سورۃ فاتحہ کو ساتھ خون کے پیشانی اپنی پر اور ناک اپنی پر تو جائز ہے واسطے شفا کے اور ساتھ پیشاب کے بھی سورۃ فاتحہ کا لکھنا جائز ہے اگر جانا جائے کہ اس میں شفا ہے۔ انتہی

جواب:

اصل عبارت فتاویٰ ”قاضی خان“ کی اس طرح پر ہے:

والذي رعف ولا يرقأ دمه، فأراد أن يكتب بدمه على جبهته شيئا من القرآن، قال أبو بكر الإسكاف رحمه الله تعالى: يجوز، قيل: لو كتب بالبول؟ قال: لو كان فيه شفاء لا بأس به، قيل: لو كتب على جلد ميتة؟ قال: إن كان فيه شفاء، جاز. (1)

[اور وہ شخص جسے نکسیر پھوٹ جائے اور خون نہ رک رہا ہو تو وہ اپنے خون کے

طریقہ محمدیہ کی عبارت مکمل ہو گئی جس میں اس کی شرح حدیقہ ندیہ سے کچھ اضافہ بھی شامل ہے۔]

تنویر الابصار میں ہے:

یَکُونُ (ای) وَاجِبًا عِنْدَ التَّوَقَانِ. [غلبہ شہوت کے وقت نکاح کرنا واجب ہے۔]

ردالمحتار میں ہے:

قُلْت: وَكَذَا فِيمَا يَظْهَرُ لَوْ كَانَ لَا يُمْكِنُهُ مَنْعُ نَفْسِهِ عَنْ النَّظَرِ الْمُحَرَّمِ أَوْ عَنْ الِاسْتِمْنَاءِ بِالْكَفِّ، فَيَجِبُ التَّزَوُّجُ، وَإِنْ لَمْ يَخَفْ الْوُقُوعَ فِي الزِّنَا. واللہ تعالیٰ اعلم

[میں کہتا ہوں اور اسی طرح کچھ ظاہر ہوتا ہے کہ اگر حالت ایسی ہو کہ یہ اپنے آپ کو نظر حرام اور مشت زنی سے نہ روک سکے تو شادی کرنا واجب ہے، اگرچہ زناء میں مبتلا ہونے کا خطرہ نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ ہی بڑا عالم ہے۔] [فتاویٰ رضویہ: جلد 24، ص 201 تا 203]

(1)۔۔: [فتاوى قاضي خان: كتاب الحظر والإباحة وما يكره أكله وما لا يكره وما يتعلق بالضيافة، جلد 3، ص 305]

ساتھ اپنے ماتھے پر کچھ قرآن لکھنا چاہے تو ابو بکر اسکاف کہتے ہیں کہ یہ جائز ہو گا۔ کہا گیا: اگر وہ پیشاب کے ساتھ لکھ لے تو؟ کہنے لگے: اگر اس میں شفا ہے تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں۔ کہا گیا: اگر مر دار کے چمڑے پر لکھے تو؟ کہا: اگر اس میں شفاء ہے تو جائز ہے۔]

سو یہ تینوں صورتیں مطابق آیت ﴿اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَیۡکُمُ الۡمَیۡتَةَ وَالدَّمَ وَلَحۡمَ الۡخِنۡزِیۡرِ وَمَاۤ اُهِلَّ بِهٖ لِغَیۡرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنِ اضۡطُرَّ غَیۡرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَاۤ اِثۡمَ عَلَیۡهِ﴾(1) کے ہیں؛ کیوں کہ جب خدا تعالیٰ نے اضطرار کی حالت میں قطعی حرام چیزیں مباح کر دیں تو دوا حرام اگر اس میں شفاء منحصر ہو اور اور بجز اس کے اور کوئی دوا واسطے بقائے جان کے میسر نہ ہو، کیوں مباح نہ ہوں گی؟ ہاں! اگر علماء مطلق علاج حرام دوا کے ساتھ جائز کرتے تو البتہ قابلِ اعتراض ہوتا، مگر وہ بار بار یہی کہتے ہیں کہ اگر اس میں شِفا منحصر ہے اور بجز اس کے اور کوئی دوا نہیں، تب جائز ہے۔ چناں چہ "شامی" و "درِ مختار" میں لکھا ہے:

یَجُوزُ إِنْ عَلِمَ فِیهِ شِفَاءً وَلَمْ یَعْلَمْ دَوَاءً آخَرَ. (2)

یعنی، تب جائز ہے جب کہ جانتا ہے کہ اس میں شفا ہے اور بغیر اس کے اور کوئی دوا نہیں جانتا۔ (3)

---

(1)۔۔:[اس نے یہی تم پر حرام کئے ہیں مر دار اور خون اور سور کا گوشت اور وہ جانور جو غیر خدا کا نام لے کر ذبح کیا گیا تو جو ناچار ہو نہ یوں کہ خواہش سے کھائے اور نہ یوں کہ ضرورت سے آگے بڑھے تو اس پر گناہ نہیں۔][پ:۲، البقرہ، ۱۷۳]

(2)۔۔:[رد المحتار علی الدر المختار: ،کتاب الطهارة،باب المياه،فروع التداوي بالمحرم، 210/1]

(3)۔۔:[اعلیٰ حضرت امام اہلِ سنت مولانا شاہ امام احمد رضا خان حنفی قادری عَلَیہ الرَّحمَہ سے مذکورہ سوال دریافت ہوتا ہے، جسے یہاں نقل کیا جانا خالی از فائدہ نہ ہو گا، سوال مع الجواب ملاحظہ ہو:

مسئلہ:

گزارش۔۔۔ یہ کہ چند مسئلہ کتب فقہیہ امام اعظم صاحب عَلَیہ الرَّحمَہ مثل ہدایہ شرح وقایہ وفتاویٰ

قاضی خاں ودر مختار وردالمحتار وفتاویٰ عالم گیری وفتاویٰ برہنہ وفتاویٰ سراجیہ خلافِ حدیثِ رسولِ خداصَلَّی اللہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّم ہیں۔ من جملہ مسائل خلافیہ کے ایک یہ مسئلہ اس میں لکھاہے کہ قرآن شریف کی آیت کا قرآن شریف کی آیت کا پیشاب سے لکھنا جائز ہے میں اس کا ثبوت دے سکتا ہوں یہ عبارت کتب مذکورہ میں ہے یا اتہام؟ اس کے حق میں کیا حکم ہے؟ بیان فرمادیں۔

الجواب:

الحمد للہ رب العالمین وافضل الصلٰوۃ واکمل السلام علی سید المرسلین سیدنا ومولانا محمدو الہٖ واصحابہ وعلماء امتہ ومجتہدی ملتہ اجمعین، اٰمین۔

اقول: وباللہ التوفیق:

معترض نے اس عبارت میں متعدّد طور پر دھوکے دینے سے کام لیا ہے:۔

اوّلاً:

ایہام کیا کہ ہدایہ وغیرہ سب کتبِ مذکورہ میں یہ مسئلہ لکھاہے، حالاں کہ نہ ہدایہ میں اس کا پتانہ شرح وقایہ میں نشان، نہ در مختار میں وجود، نہ عالم گیری میں ذکرِ بول موجود، یہ سب معترض صاحب مغالطہ دہی ہے۔ فتاویٰ برہنہ فقیر کے پاس نہیں، نہ وہ کوئی معتبر کتابوں میں معدود۔

ثانیاً:

سراجیہ میں اس کے بعد صراحۃً لکھ دیا: لکن لم ینقل، مگر یہ منقول نہ ہوا۔(فتاویٰ سراجیہ: کتاب الکراھیۃ، باب التداوی والعلاج، نول کشور۔ لکھنؤ، ص۷۵)

اسی طرح ردالمحتار میں نقل فرمایا۔(ردالمحتار: کتاب الطھارۃ، باب المیاہ ،داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۱۴۰)

تو ان کی طرف حکمِ جواز کی نسبت کر دینی محض افترا ہے۔ حکم کسی شرط پر مشروط کرکے وجود شرط حکم کو تسلیم نہ کرنا ہے، نہ کہ حکم دینا۔ **کمالایخفی علی جاھل فضلاعن فاضل**

ثالثاً:

فتاویٰ قاضی خاں میں صاف بتادیا کہ یہ مسئلہ نہ امام اعظم رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنۡہ کا ارشاد ہے نہ ان کے اصحاب کا، نہ شاگردان کا نہ شاگردان شاگرد کے کسی شاگرد کا، بلکہ شیخ ابو بکر اسکاف بلخی کا قول ہے کہ چوتھی صدی کے مشائخ سے تھے، وہ بھی نہ اس طور پر جس طرح معترض نے بیان کیا جیسا کہ عن قریب آتا ہے تو اس کے باعث یہ ایہام کرنا کہ فقہ امام اعظم کا یہ حکم ہے، صحیح فریب دہی ہے۔

رابعاً:

فتاویٰ قاضی خان کی عبارت یہ ہے: و الذي رعف و لا يرقأ دمه فأراد أن يكتب بدمه على جبته شيئا من القرآن؟ قال أبو بكر الاسكاف رحمه الله تعالى: يجوز، قيل: لو كتب بالبول؟ قال: لو فيه شفاء لا بأس به، قيل: لو كتب على جلد ميتة؟ قال: إن كان فيه شفاء، جاز. وعن ابی نصر بن سلام رحمه الله تعالیٰ: معنی قوله علیه الصلٰوة و السلام ان الله لم یجعل شفاء کم فیما حرم علیکم انما قال ذٰلک فی الاشیاء التی لایکون فیه شفاء فاما اذا کان فیها شفاء فلا بأس به، قال: الاتری ان العطشان یحل له شرب الخمر حال الاضطرار.

[جس شخص کی نکسیر آئے کہ خون بند نہ ہو پھر اس نے اپنے خون سے قرآن مجید کا کوئی حصہ اپنی پیشانی پر لکھنے کا ارادہ کیا ہو (تو شرعاً کیا حکم ہے؟) ابو بکر اسکاف رَحْمَةُ اللهِ تَعَالٰی عَلَیه نے فرمایا کہ جائز ہے۔ پھر ان سے پوچھا گیا اگر پیشاب سے لکھے (تو پھر کیا حکم ہے؟) فرمایا: اگر اس میں شفاء معلوم ہو تو کچھ حرج نہیں، پھر کہا گیا کہ اگر مردار کی کھال پر لکھے؟ تو فرمایا: اگر اس میں بھی شفاء معلوم ہو تو جائز ہے۔ ابو النصر بن سلام رَحْمَةُ اللهِ تَعَالٰی عَلَیه نے فرمایا: حضور عَلَیْهِ الصَّلَاةُ وَ السَّلَامُ کا ارشاد کہ "بے شک اللہ تعالیٰ نے جو کچھ تم پر حرام فرمایا ہے اس میں تمھارے لئے شفا نہیں رکھی" کا مفہوم یہ ہے کہ یہ ان چیزوں سے متعلق ہے جن میں فی الواقع شفاء نہیں، لیکن جن میں شفا موجود ہے تو ان کے استعمال میں کیا حرج ہے کیا تم دیکھتے نہیں کہ پیاسے آدمی کے لئے اضطراری حالت میں شراب کا پینا بھی حلال ہے۔] (فتاویٰ قاضی خاں: کتاب الحظر والاباحۃ، نول کشور۔ لکھنؤ، ۴ / ۷۸۰)

اس عبارت سے واضح کہ فقیہ ممدوح سے اس حالت کا سوال ہوا تھا کہ کسی کے دماغ سے ناک کی راہ خون جاری ہے اور کس طرح نہیں تھمتا، اس حالت میں اس کی جان بچانے کو اگر خون یا بول سے لکھیں تو اجازت ہے یا نہیں؟ فقیہ موصوف نے فرمایا: اگر اس سے شفا ہو جانا معلوم ہو تو مضائقہ نہیں اور اس کی نظیر یہ بتائی گئی کہ پیاس سے جان جاتی ہو اور سوا شراب کے کوئی چیز موجود نہیں یا بھوک سے دم نکلتا ہو اور سوا مردار کے کچھ پاس نہیں تو اس وقت بمقدار جان بچانے کے شراب و مردار کے استعمال کی شرع مطہر نے رخصت دی ہے تو فقیہ موصوف کا یہ حکم حقیقۃً تین شرطوں سے مشروط تھا:

اوّل: یہ کہ جان جانے کا خوف ہو، جیسا کہ عبارتِ قاضی خان **فلا یرقا دمه** [اس کا خون بند نہ ہو] سے ظاہر ہے اور اسی ردالمحتار میں کہ اس کا نام بھی معترض نے گن دیا۔

عبارت یوں ہے: **نص مافی الحاوی القدسی اذا سال الدم من انف انسان و لا ینقطع حتی یخشی علیه الموت.**

[حاوی قدسی میں تصریح فرمائی) یعنی، خون ناک سے جاری ہے اور نہیں تھمتا، یہاں تک کہ اس کے

مر جانے کا اندیشہ ہو۔] (ردالمحتار: کتاب الطہارۃ، باب المیاہ، داراحیاء التراث العربی-بیروت، ۱/ ۱۴۰)

دُوُم: اس تدبیر سے اسے شفا ہو جانا بھی معلوم ہو جیسا کہ عبارت قاضی خاں **لو کان فیه شفاء** [اگر اس میں شفاء معلوم ہو۔] سے ظاہر۔ (فتاویٰ قاضی خاں: کتاب الحظر والاباحۃ، نول کشور-لکھنؤ، ۴/ ۷۸۰)

اور اسی ردالمحتار میں بعد عبارت مذکورہ ہے: **وقد علم انه لو کتب ینقطع**، بتحقیق معلوم ہو کہ لکھا جائے تو خون منقطع ہو جائے گا۔ (ردالمحتار: کتاب الطہارۃ، باب المیاہ، داراحیاء التراث العربی-بیروت، ۱/ ۱۴۰)

سِوُم: اس کے سوا کوئی اور تدبیر شفا نہ ہو جیسا کہ عبارت قاضی خاں **حال الاضطرار** سے ظاہر۔

اور اس ردالمحتار میں ہے: **فی النهایة عن الذخیرة یجوز ان علم فیه شفاء ولم یعلم دواء أخر.**

(نہایہ میں ذخیرہ کے حوالے سے ہے:) جب جائز ہے کہ اس سے شفا ہو جانا معلوم ہو اور دوسری کوئی دوا نہ معلوم ہو۔ (ردالمحتار: کتاب الطہارۃ، باب المیاہ، داراحیاء التراث العربی-بیروت۔ ۱/ ۱۴۰)

اسی میں ہے: **هذا المصرح فی عبارة النهایة کما مر ولیس فی عبارة الحاوی الا انه یفاد من قوله کمارخص، الخ؛ لان حل الخمر والمیتة حیث لم یوجد مایقدم مقامهما.**

[عبارت نہایہ میں یہ تصریح کی گئی جیسا کہ بیان گزر چکا، لیکن عبارتِ حاوی قدسی میں یہ تصریح موجود نہیں، مگر یہ کہ اس کے قول "کمارخص" سے افادہ کیا جائے، الخ؛ اس لئے کہ شراب اور مردار (وہاں) حلال ہیں جہاں کوئی نعم البدل نہ پایا جائے، لہٰذا بصورت دیگر وہ حلال نہیں] (ردالمحتار: کتاب الطہارۃ، باب المیاہ، داراحیاء التراث العربی-بیروت، ۱/ ۱۴۰)

اہل انصاف غور کریں کہ جو حکم ان تین شرطوں کے ساتھ مشروط ہو جن کے بعد اس میں اصلاً استبداد نہیں کہ **الضرورات تبیح المحظورات** [ضرورتیں ممنوعات کو مباح کر دیتی ہیں۔] شرع وعقل وعرف سب کا مجمع علیہ قاعدہ ہے ان تمام شرائط کو اڑا کر مطلقاً یوں کہہ دینا کہ ان کتابوں میں لکھا ہے کہ قرآن شریف کی آیت کا پیشاب سے لکھنا جائز ہے، کون سی ایمان وامانت ودین ودیانت کا مقتضا ہے؟ یہ تو ایسا ہوا کہ کوئی کافر نصرانی یہودی بک دے کہ قرآن مجید میں سور کھانا حلال لکھا ہے اور ثبوت میں یہ آیت پیش کرے کہ:

﴿فَمَنِ اضۡطُرَّ غَیۡرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَاۤ اِثۡمَ عَلَیۡهِ﴾

[پھر کوئی بیقرار ہو گیا، بشرطیکہ بغاوت اور زیادتی کرنیوالا نہ ہو تو اس پر (مردار کھالینے کا) کوئی گناہ نہیں۔] [پ:۲، البقرہ، ۱۷۳]

یا کوئی مردود نیچری یُوں جھک کمارے کہ کفر کے بول بولنا اللہ تعالیٰ نے جائز فرمادیا ہے اور سند میں یہ آیت سنادے کہ:

﴿اِلَّا مَنۡ اُكۡرِهَ وَ قَلۡبُهٗ مُطۡمَئِنٌّۢ بِالۡاِيۡمَانِ﴾

مگر اس کو کلمہ کفر کہنے کی اجازت ہے کہ جس کو مجبور کیا جائے، جب کہ اس کا دل ایمان سے مطمئن ہو۔[پ:۱۴، النحل، ۱۰۶]

ان مفتری کذابوں سے یہی کہا جائے گا کہ قرآن عظیم نے تو سور کھانا اور کلمہ کفر بکنا قطعی حرام کئے ہیں، یہ تیرا محض افتراء و بہتان ہے۔ ہاں! دم نکلتا ہو اور کچھ اور میسر نہیں تو جان بچانے کو حرام چیز کھانے کی اجازت دینی یا کوئی ظالم بغیر کفر کے ظاہر کئے مارے ڈالتا ہو یا آنکھیں پھوڑتا یا ہاتھ پاؤں کاٹتا ہو تو دل میں خاص ایمان کے ساتھ حفظ جسم و جان کے لئے کچھ ظاہر کرنے کی رخصت فرمائی، یہ قطعاً حق و عین رحمت و مصلحت ہے اور اسے تیرا اس طور پر تعبیر کرنا یقیناً بہتان و صریح شرارت و خباثت ہے۔ بعینہٖ یہی جواب ان غیر مقلد صاحبوں کے اعتراض کا سمجھ لیجئے۔

خامساً:

فقیر کہتا ہے **غفر اللہ تعالیٰ لہ:** اگر اللہ عزّوجلّ نظر غائر وقت شناس نصیب فرمائے تو عند التحقیق اس کلامِ علماء کا مرجع و مآل صاف ممانعت ہے، نہ تجویز و اجازت کہ وہ شرط فرماتے ہیں کہ جب اس سے شفاء ہو جانا معلوم ہو، حالاں کہ اس علم کا کوئی ذریعہ نہیں۔ اگر علم بمعنی یقین لیجئے جب تو ظاہر کہ یقین تو ظاہر وواضح و مجرّب و معقول الاثر داؤں میں بھی نہیں، نہایت کار ظن ہے۔

اسی ردالمحتار میں ہے: **قدعلمت ان قول الاطباء ولا یحصل بہ العلم**[بے شک تو نے جان لیا کہ طبیبوں کے قول سے علم حاصل نہیں ہوتا۔](ردالمحتار: کتاب الطہارۃ، باب المیاہ، داراحیاء التراث العربی بیروت، ۱/ ۱۴۰)

اور اگر ظن کو بھی شامل کیجئے تو یہ لکھنا غایت درجہ از قبیل رقیہ ہوگا، نہ از قبیل معالجات ورضحہ طبیہ اور علماء۔ تصریح فرماتے ہیں کہ ایسے معالجات سے شفاء معلوم ہونا درکنار مظنون بھی نہیں، صرف موہوم ہے۔

اسی عالم گیری میں فصول عمادی سے ہے: **الاسباب المزیلۃ للضرر تنقسم الی مقطوع بہ کالماء للعطش والخبز للجوع والی مظنون کالفصد والحجامۃ وشرب المسہل وسائر ابواب الطب یعنی معالجۃ البرودۃ بالحرارۃ ومعالجۃ الحرارۃ بالبرودۃ وھی الاسباب الظاہرۃ فی الطب والی موہوم کالکی والرقیۃ.**

[جن اسباب سے ضرور دور ہوتا ہے وہ دو قسم کے ہیں:

(۱) یقینی: جیسے پانی پیاس دور کرنے کے لئے اور کھانا بھوک کو رفع کرنے کے لئے۔

(۲) ظنی: جیسے خون نکلوانا، پچھنے لگوانا، جلاب آور دوا پینا اور دیگر ابواب طب یعنی سردی کا گرمی سے علاج کرنا، اور گرمی کا سردی سے، اور علم طب میں یہ ظاہری اسباب ہیں اور وہمی اسباب جیسے داغ لگانا اور جھاڑ پھونک یعنی دم کرنا۔] (فتاویٰ ہندیہ: کتاب الکراھیۃ، الباب الثامن عشر، نورانی کتب خانہ-پشاور، ۵/ ۳۵۵)

تو دیکھو علما نے تصریح فرمائی کہ یہ لکھنا جائز جب ہو کہ اس سے شفاء معلوم ہو اور ساتھ ہی یہ بھی تصریح فرمائی کہ اس سے شفاء معلوم نہیں تو کیا حاصل یہ نکلا کہ یہ لکھنا جائز ہے یا یہ کہ ہر گز جائز نہیں صحیح حدیث میں ہے حضور اقدس صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم سے دربارۂ رمل سوال ہوا، ارشاد فرمایا:

کان نبی من الانبیاء یخط فمن وافق خطه فذاک رواہ مسلم فی صحیحه واحمد ابو دؤد والنسائی عن معاویة بن الحکم رضی اللّٰہ تعالٰی عنه.

[بعض انبیاء علیہم الصلٰوۃ والسلام کچھ خط کھینچا کرتے تھے تو جس کی لکیریں ان کے خطوں سے موافق ہوں وہ ٹھیک ہے (امام مسلم نے اپنی صحیح مسلم میں امام محمد، ابو داؤد اور نسائی نے معاویہ بن حکم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اس کو روایت کیا ہے۔] (صحیح مسلم: کتاب المساجد، باب تحریم الکلام فی الصلٰوۃ، قدیمی کتب خانہ-کراچی، ۱/ ۲۰۳)

اب اس حدیث سے ٹھہرا دینا کہ نبی صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم نے رمل پھینکنے کی اجازت دی ہے، حالاں کہ حدیث صراحۃً مفید ممانعت ہے کہ جب حضور اقدس صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم نے اس کا جواز موافق خط انبیاء علیہم الصلٰوۃ والسلام سے مشروط فرمایا اور وہ معلوم نہیں تو جواز بھی نہیں۔ امام نووی رحمہ اللہ تعالٰی نے کتاب الصلٰوۃ باب تحریم الکلام میں زیرِ حدیث مذکور فرماتے ہیں:

معناہ من وافق خطه فهو مباح له ولكن لاطريق لنا الى العلم اليقينی بالموافقة فلا يباح والمقصود انه حرام لانه لايباح الا بيقين بالموافقة وليس لنا يقين بها.

[حدیث پاک کا مفہوم اور مراد یہ ہے کہ جس آدمی کی لکیریں بعض انبیاء کرام کی لکیروں کے موافق ہو جائیں تو اس کے لئے (علم رمل) مباح ہے لیکن حصول موافقت کے لئے ہمارے پاس یقینی علم تک رسائی کا کوئی راستہ نہیں لیکن علم مذکور (ہمارے لئے) مباح نہیں اور مقصد یہ ہے کہ وہ حرام ہے کیونکہ یقینی موافقت کے بغیر وہ مباح نہیں ہو سکتا اور یقنی موافقت کا ہمارے پاس کوئی راستہ نہیں۔] (شرح صحیح البخاری للنووی مع صحیح مسلم: کتاب المساجد، باب تحریم الکلام فی الصلٰوۃ، ۱/ ۲۰۳)

یعنی، مقصودِ حدیث تحریمِ رمل ہے کہ اباحت بشرط موافقت ہے اور وہ نامعلوم تو اباحت معدوم۔

علامہ علی قاری مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں: **حاصله ان فی هذا الزمان حرام لان الموافقة معدومة او موهومة.**

یعنی، حاصل حدیث یہ ہے کہ رمل اس شریعت میں حرام ہے کہ موافقت معدوم ہے یا موہوم۔(مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح: کتاب الصلٰوۃ، باب مالایجوز من العمل...الخ، مکتبہ حبیبیہ - کوئٹہ، ۳ / ٦٤)

اسی میں امام ابن حجر سے انھوں نے اکثر علماء سے نقل فرمایا: **لایستدل بهذا الحدیث علی اباحته لانه علق الاذن فیه علیه موافقة خط ذٰلک النبی صلی موافقة غیر معلومة فاتضح تحریمه.**

یعنی، اس حدیث سے رمل کی اباحت پر استدلال نہ کیا جائے کہ اس میں تو اجازت ان نبی کے خط سے موافقت پر موقوف فرمائی ہے اور یہ موافقت معلوم نہیں تو اس کا حرام ہونا روشن ہو گیا۔(مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح: کتاب الصلٰوۃ، باب مالایجوز من العمل...الخ، مکتبہ حبیبیہ - کوئٹہ، ۳ / ٦٤)

بعینہٖ یہی حالت اس قول علماء کی ہے کہ جب اجازت کتابت علم شفا سے مشروط فرماتے ہیں اور وہ معدوم یا موہوم ہو تو اباحت معدوم۔

هکذا ینبغی التحقیق و الله ولی التوفیق ثم بعد کتابتی لهذا المحل الشامی نقل عن البحر عن الفتح مانصه:

وَأَهْلُ الطِّبِ يُثْبِتُونَ لِلَبَنِ الْبِنْتِ أَيْ الَّذِي نَزَلَ بِسَبَبِ بِنْتٍ مُرْضِعَةٍ نَفْعًا لِوَجَعِ الْعَيْنِ. وَاخْتَلَفَ الْمَشَايِخُ فِيهِ، قِيلَ: لَا يَجُوزُ، وَقِيلَ: يَجُوزُ إذَا عَلِمَ أَنَّهُ يَزُولُ بِهِ الرَّمَدُ. وَلَا يَخْفَى أَنَّ حَقِيقَةَ الْعِلْمِ مُتَعَذِّرَةٌ، فَالْمُرَادُ إذَا غَلَبَ عَلَى الظَّنِّ وَإِلَّا فَهُوَ مَعْنَى الْمَنْعِ.

یونہی تحقیق کرنی چاہئے اور اللہ تعالیٰ ہی توفیق کا مالک ہے۔ پھر میں نے یہ جگہ لکھنے کے بعد فتاوٰی شامی کو دیکھا، اس میں بحر الرائق بحوالہ فتح القدیر نقل کیا کہ جس کی اس نے تصریح فرمائی کہ اہل طب نے لڑکی کے دودھ کو درد کے لئے مفید قرار دیا ہے اور مشائخ کرام نے اس میں اختلاف کیا ہے، چناں چہ کہا گیا ہے کہ یہ جائز نہیں اور یہ بھی کہا گیا کہ جائز ہے، جب کہ یہ علم ہو جائے کہ اسے درد چشم زائل ہو جائے گا، لیکن یہ پوشیدہ نہیں کہ حقیقت علم تک رسائی مشکل ہے اور مراد یہ ہے کہ جب غالب گمان ہو، ورنہ یہی منع کا مفہوم ہے۔(ردالمحتار: کتاب النکاح، باب الرضاع، داراحیاء التراث العربی - بیروت، ۲ / ٤٠٤)

اقول: وانت تعلم ان لاوجه فیما نحن فیه بغلبة الظن ایضا فهو معنی المنع قطعا وهذا عین مافهمت والله الحمد.

[میں کہتا ہوں: کہ تم جانتے ہو کہ یہاں غلبہ ظن کی کوئی وجہ نہیں لہذا یہی قطعی طور پر مفہوم منع ہے

اور یہ بعینہٖ وہی ہے جس کو میں نے سمجھا اور خدا ہی کے لئے تمام خوبیاں ہیں۔]

سادساً:

طرہ یہ کہ معترض نے چوتھی صدی کے ایک فقیہ کا قول بہزاران عیار سب شرائط اڑا کر طرح طرح کی تہمت و بہتان کے ساتھ فقیہ اعظم رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ پر بزعم خود اعتراض جمانے کے لئے نقل کیا اور اسی در مختار و ردالمحتار و قاضی خاں و عالم گیری وغیرہا عامہ کتب معتمدہ مذہب متون و شروح و فتاویٰ میں جو خود ہمارے امام اعظم رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ کا اصل مذہب کہ ظاہر الروایۃ و معتمد فی المذہب ہے اور اس پر تصریحات کثیرہ ہیں وہ سب اڑا گیا کہ بے علم بیچاروں کو دھوکے دے کہ امام الائمہ امام اعظم معاذ اللہ ایسے موحش حکم دیتے تھے۔ معترض اگر کچھ پڑھا لکھا ہے اور اس نے ان کتابوں کے نام کسی سے سن کر یا رجماً یا بالغیب آنکھیں بند کر کے نہ لکھ دے تو ایمان سے کہے کہ اسی در مختار میں یہیں یعنی کتاب الطہارۃ میں یہ عبارت تو نہ تھی: **اختلف فی التداوی بالحرام وظاهر المذهب المنع.**

حرام چیز دواء استعمال کرنے میں اختلاف ہے اور ہمارے ائمہ کا اصل مذہب ظاہر الروایۃ کہ جائز نہیں۔(الدر المختار: کتاب الطہارۃ، مطبع مجتبائی–دہلی،۱ /۳۸)

اسی در مختار کتاب الرضاع میں یہ عبارت تو نہ تھی: **فی البحر لا یجوز التداوی بالمحرم فی ظاهر المذهب.**

یعنی، بحر الرائق میں ہے کہ مذہب حنفی ظاہر الروایہ میں حرام چیز سے علاج کرنا جائز نہیں۔(در مختار: کتاب النکاح، باب الرضاع، مطبع مجتبائی–دہلی،۱/ ۲۱۲)

اسی در مختار میں کتاب الحظر والاباحۃ میں یہ عبارت تو نہ تھی: **جاز الحقنه للتداوی بطاهر لا بنجس وكذا كل تداو لا يجوز.**

حقنہ بغرض دوا پاک چیز سے جائز ہے ناپاک سے نہیں، اسی طرح کوئی علاج ناپاک چیز سے جائز نہیں۔(در مختار: کتاب الحظر والاباحۃ، فصل فی البیع، مطبع مجتبائی-دہلی،۲/ ۲۴۲)

اسی ردالمحتار میں بحوالہ درمنتقی قول جواز ذکر کر کے یہ تو نہ تھا کہ: **المذهب خلافه**،مذہب حنفی اسی قول کے جواز کے خلاف ہے۔(ردالمحتار: کتاب الحظر والاباحۃ، فصل فی البیع، داراحیاء التراث العربی-بیروت،۵/ ۲۴۹)

اسی عالم گیری میں یہ عبارت تو نہ تھی: **تكره ابوال الابل ولحم الفرس للتداوی كذا فی الجامع الصغير.**

اونٹ کا پیشاب اور گھوڑے کا گوشت دوا میں بھی مکروہ ہے ایسا ہی جامع صغیر میں امام محمد میں

قولہ:

”ہدایہ“فارسی کے صفحہ ۹۶ میں لکھاہے کہ:

درمیان مسلمان اور حربی کے دارالحرب میں مسلمان کو کافروں سے بیاج لینا منع نہیں ہے۔

جواب:

اس میں ہماری دلیل وہ قصہ ہے جو مفسرین نے سورۂ روم کی آیت﴿ وَ هُمۡ مِّنۡۢ

ہے۔(فتاویٰ ہندیہ: کتاب الکراھیۃ، الباب الثامن عشر، نورانی کتب خانہ- پشاور، ۵/۳۵۵)

اسی میں یہ تو نہ تھا: **قال له الطيب الحاذق علتك لاتندفع الا باكل القنفذ او الحية او دواء يحل فيه الحية لا يحل اكله.**

یعنی، ساہی یا سانپ یا ایسی دوا جس میں سانپ ڈالا جائے علاج کے لئے بھی کھانا حلال نہیں۔ اگر چہ حکم حاذق کہے کہ تیرا مرض بغیر اس کے نہ جائے گا۔(فتاویٰ ہندیہ: کتاب الکراھیۃ، الباب الثامن عشر ،نورانی کتب خانہ- پشاور، ۵/۳۵۵)

اسی عالم گیری میں اسی فتاویٰ قاضی خاں سے یہ نہ تھا: **تكره البان الا تان للمرض وغيره وكذلك لحومها وكذلك التداوي بكل حرام.**

گدھی کا دودھ اور گوشت مرض وغیرہ کسی میں مباح نہیں اور ایسے ہی حرام چیز سے علاج علاج۔(فتاویٰ ہندیہ: کتاب الکراھیۃ، الباب الثامن، نورانی کتب خانہ- پشاور، ۵/۳۵۵)

اسی عالم گیری میں اسی ہدایہ سے یہ تو نہ تھا: **لا يجوز ان يداوي بالخمر جرحا او دبر دابة ولا ان يسقي ذميا ولا ان يسقي صبيا للتداوي والوبال على من سقاه.**

جائز نہیں کہ شراب سے کسی زخم یا جانور کی لگی ہوئی پیٹھ کا علاج کرنے نہ کسی ذمی کافر کو پلانا جائز نہ دوا کے لئے بچے کو پلانا اور بچے کو پلانا میں وبال پلانے والے پر ہے۔(فتاویٰ ہندیہ: کتاب الکراھیۃ ،الباب الثامن، نورانی کتب خانہ- پشاور، ۵ /۳۵۵)

غیر مقلد صاحبو! خدارا انصاف، جو ائمہ دین تمھارے حقنہ کے لئے بھی کسی ناپاک چیز کا استعمال جائز نہ جانیں، وہ قرآن عظیم کی آیات کا ناپاک چیز سے لکھنا کیسے جائز بتائیں گے، ذرا خدا سے ڈر کر بات کیا کرو !**ولا حول ولا قوة الا بالله العلى العظيم ، والله سبحنه وتعالى اعلم وعلمه جل مجده اتم واحكم.**(فتاویٰ رضویہ: کتاب الحظر والاباحۃ، جلد 23، ص340 تا 349)]

بَعۡدِ غَلَبِهِمۡ سَيَغۡلِبُوۡنَ ۙ۝۳ فِیۡ بِضۡعِ سِنِيۡنَ ۙ۝۴﴾[1] میں اس طرح بیان کیا ہے کہ جب یہ آیت کفارِ مکہ کے سامنے حضرت ابو بکر [رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ] نے پڑھی تو ابی بن خلف نے کہا کہ روم کا پھر غالب ہونا جھوٹ ہے اور میں اس بات پر شرط لگاتا ہوں کہ اگر رومی تین برس تک پھر غالب ہوگئے تو میں دس اونٹ تمہیں دوں گا، ورنہ دس اونٹ تم سے لوں گا۔ بعد اس شرط کے حضرت ابو بکر [رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ] نے آں حضرت [صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم] کی خدمت میں یہ حال بیان کیا۔ آپ نے فرمایا کہ بضع درمیان تین اور نو سال کے ہے، تم پھر جاکر مال اور مدت میں نہ زیادہ شرط لگاؤ۔ پس حضرت ابو بکر [رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ] نے سو اونٹ کی نو سال تک شرط لگائی اور ایک دوسرے سے ضمانت لی۔ چناں چہ ساتویں برس رومی پھر غالب ہوئی اور حضرت ابو بکر [رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ] نے ضامن ابی سے سو اونٹ لے کر حسبِ ارشاد آں حضرت [صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم] خدا کی راہ میں صدقہ کر دیئے۔[2]

تفسیرِ "احمدی" میں اس قصیدہ کے نیچے لکھا ہے:

وعن قتادة: ومن مذهب أَبی حنيفة و محمد رضی الله عنهما: أَن العقود الفاسدة كعقود الرباء وغيرها جائزة فی دار الحرب بين المسلمين والكفار وقد احتجا على صحة ذالک بهذه القصة وهكذا قال صاحب الكشاف. انتهى[3]

یعنی، قتادہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ [سے روایت ہے:] امام ابو حنیفہ اور محمد رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہما نے اس قصہ سے حجت پکڑی ہے کہ دار الحرب میں درمیان مسلمان و کافروں کے عقود فاسد مثل بیاج وغیرہ کی جائز ہیں۔

اور مکہ اُس وقت دار الحرب تھا۔

---

(1)۔۔: [اور اپنی مغلوبی کے بعد عن قریب غالب ہوں گے، چند برس میں۔] [پ:۲۱، الروم، ۴۔۵]

(2)۔۔: یہ قصہ تفسیرِ مدارک جلد دوم کے صفحہ ۱۴۹ اور معالم التنزیل کے صفحہ ۱۸۵ میں لکھا ہے۔ [مدارک التنزیل وحقائق التأویل: پ: ۲۱، الروم، تحت الآیة ۴۔ 2/689۔690]

(3)۔۔: صفحہ ۱۱۶، مطبوعہ پنجابی لاہور۔ [التفسیرات الاحمدیة فی بیان الآیات الشرعیة: پ: ۲۱، الروم، تحت الآیة ۴، ص 596]

اور "نورالہدایہ ترجمہ اردو شرح وقایہ" میں لکھا ہے کہ:

امام صاحب کی دلیل ہے جو فرمایا رسولِ خدا [صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم] نے کہ نہیں بیاج درمیان مسلمان اور حربی کے دارالحرب میں... اسناد کی اس حدیث کی بیہقی نے "معرفہ" میں۔

"مبسوط" میں ہے کہ یہ حدیث مرسل ہے اور مکحول جس نے روایت کیا اس کو، ثقہ ہے اور مرسل ثقہ کی مقبول ہے۔ انتہی، ملحضاً(1)

قولہ:

"غائۃ الاوطار ترجمہ در مختار" جلد اوّل کے صفحہ ۱۰۵ میں لکھا ہے کہ:

کتے کی کھال کا جائے نماز اور ڈول بنانا جائز ہے۔

جواب:

ہم ہی جائز نہیں کہتے، بلکہ رسولِ خدا پاک [صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم] فرماتے ہیں۔ چناں چہ "صحیح مسلم" میں عبد اللہ بن عباس [رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہما] سے روایت ہے:

سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: «إِذَا دُبِغَ الْإِهَابُ فَقَدْ طَهُرَ»(2)

یعنی رسولِ خدا [صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم] نے فرمایا: جس وقت کھال دباغت دی گئی، پس پاک ہو گئی۔

اور ابو داوٗد و امام مالک نے حضرت عائشہ [رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھا] سے روایت کی ہے:

أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَمَرَ أَنْ يُسْتَمْتَعَ بِجُلُودِ الْمَيْتَةِ إِذَا دُبِغَتْ. رَوَاهُ مَالِكٌ وَأَبُو دَاوُد(3)

---

(1)۔۔:[نورالہدایہ ترجمہ اردو شرح وقایہ:، کتاب البیع، باب ربا یعنی بیع سود کے بیان میں، 30/3]

(2)۔۔: حدیث مشکوۃ کے باب تطہیر النجاسات کی فصلِ اوّل میں ہے۔[كتاب الطهارة، باب تطهير النجاسات، الْفَصْل الأول، رقم 498۔155/1]

(3)۔۔: ایضاً۔[كتاب الطهارة، باب تطهير النجاسات، الفصل الثاني، رقم 509۔158/1]

یعنی، حضرت [صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم] نے مر دار کی کھال سے، جب کہ دباغت دیا جائے، فائدہ اُٹھانے کا حکم دیا ہے۔

اور "مسندِ امام اعظم" میں ابن عباس [رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھما] سے روایت ہے:

أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: «أَيُّمَا إِهَابٍ دُبِغَ فَقَدْ طَهُرَ» (1)

یعنی، رسولِ خدا [صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم] نے فرمایا کہ ہر کھال جب دباغت دی گئی، پس پاک ہو جاتی ہے۔

"عقود الجواهر المنيفة" میں لکھا ہے کہ:

یہ حدیث انہی الفاظ سے ترمذی و نسائی و ابنِ ماجہ بھی آئی ہے۔ (2)

پس دیکھو! حضرت [صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم] نے ہر ایک کھال فرمائی ہے جس میں کتے کی کھال بھی شامل ہے اور سور کی کھال اس واسطے پاک نہیں ہوتی کہ وہ نجس العین ہے بخلاف کتے کے کہ اس سے شکار کرانا اور نگہبانی وغیرہ منافع لینے جائز ہیں۔ پس اس مسئلہ کو مردود کہنا صریح احادیث کو جھٹلانا ہے۔

قولہ:

"غایۃ الاوطار ترجمہ درمختار" کے جلد چہارم کے صفحہ ۱۹۶ میں لکھا ہے:

حَلوان (3) سور کے دودھ سے پالا گیا ہو، اس کا گوشت حلال ہے۔

جواب:

آپ نے حسبِ عادت خود ساری عبارت نہیں لکھی، صرف ایک ٹکڑا اس کا بیان کر کے اعتراض کر دیا ہے، اگر ساری بیان کرتے تو امید تھی کہ آپ کو اعتراض کرنے کی نوبت نہ پہنچتی۔ اور وہ اس طرح ہے کہ اگر کوئی جانور نجاست اور غیر نجاست دونوں

(1)۔۔: صفحہ ۱۰۳۔ [مسند أبي حنيفة رواية الحصكفي: كتاب الطهارات، ص37]

(2)۔۔: صفحہ ۴۱۔ [عقود الجواهر المنيفة في أدلة مذهب الامام أبي حنيفة مما وافق فيه الأئمة الستة أو أحدهم: كتاب الطهارة، بيان الخبر المبيح لطهارة الجلد بالدباغ، 41/1]

(3)۔۔: [حلوان: ملائم گوشت۔ برّے یا لیلے کا گوشت۔ بھیڑ یا بکری کا دُودھ پیتا بچہ۔ (فیروز اللغات: ح-ل، ص575]

کھاتا ہو، اس طرح کہ اس کا گوشت گندہ نہ ہو تو حلال ہے۔ جیسے: وہ حلوان حلال ہے جو پالا گیا سور کے دودھ سے؛ کیوں کہ اس کا گوشت متغیر نہیں ہوتا اور جو دودھ اس کی غذا ہو وہ نیست و نابود ہو جاتا ہے، اس کا کچھ اثر باقی نہیں رہتا ہے۔ باوجود اس کے " شامی" جلد ۵ کے صفحہ ۱۳۷ میں لکھا ہے کہ:

عبد اللہ ابنِ مبارک کہتے ہیں کہ اس کے یہ معنی ہیں کہ ایسا حلوان اس وقت حلال ہے کہ جب وہ اس کے بعد چند روز تک مثل گاؤ غلاظت خور کے چارہ کھاتا رہے۔

اور "شرح وہبانیہ" میں "قنیہ" سے منقول ہے کہ:

تب وہ حلال ہے کہ جب بہت دنوں کے بعد ذبح کیا جائے، ورنہ نہیں۔ انتہی [1]

پس اس مسئلہ پر عقلاً و نقلاً کوئی اعتراض وارد نہیں ہو سکتا، ورنہ لازم آئے گا کہ آپ ترکاریاں وغیرہ نہ کھایا کریں؛ کیوں کہ ان میں بھی غلاظت و گوہ سے کھاد ڈالا جاتا ہے، مگر ان کو تو آپ حلوائے بے دودھ سمجھ کر نوشِ جان کر لیتے ہیں اور فقہ کے بیان پر اعتراض کرتے ہیں۔ افسوس! آپ کو اپنے رسالہ "فتح المغیث بفقہ الحدیث" کی بھی خبر نہیں کہ اس کے صفحہ ۳۲ میں لکھا ہے کہ:

اصل ہر چیز میں حلت ہے اور نہیں حرام، مگر وہ چیز جس کو حرام کیا خدا اور رسول نے اور جس چیز سے سکوت کیا خدا اور رسول نے وہ معاف ہے۔ انتہی

---

(1)۔۔:[فقہ حنفی میں شرح وہبانیہ نام کی چند کتابیں ہیں: شرح وہبانیہ: علامہ زرکلی نے (الاعلام، حرف الخاء، خض، جلد 2، ص307) میں شرح الوهبانية، مصنّفه: خضر بن محمد بن خضر - آپ کا سلسلۂ نسب امام موسیٰ کاظم سے ملتا ہے اور آپ کا تعلق بغداد سے ہے - کا ذکر کیا ہے۔ یوں ہی (معجم المؤلفين: باب الخاء، جلد4، ص102) میں ہے۔ فتاویٰ رضویہ میں شرح وہبانیہ نام کی ان دو کتابوں کا ذکر ہے:

(۱)شرح وہبانیہ، از:أبو البركات سريّ الدين عبد البر بن محمد بن محمد المعروف بابن الشحنة(851 – 921ھ)(فتاویٰ رضویہ: جلد3، ص116)

(۲)شرح وہبانیہ، از:حسن بن عمار بن علی شرنبلالی مصری حنفی (م: 1069ھ)(فتاویٰ رضویہ: جلد2، ص55)

ان میں سے کسی تک رسائی نہیں ہو سکی۔]

اب آپ فرمادیں کہ خدا رسول نے ایسے حلوان کو جو سور کے دودھ سے پلا ہے اور پھر ایسے عرصہ کے بعد ذبح کیا گیا ہے کہ جب اس کے دودھ کا اثر زائل ہو گیا ہے، کہاں حرام فرمایا ہے؟

قولہ:

"غائۃ الاوطار" جلد سُوم کے صفحہ ۸۵ میں لکھا ہے کہ:

اگر مسلمان نے، وکیل کیا، ذمی کو شراب یا سور کے بیچنے یا خریدنے کے واسطے، تو یہ توکیل اور بیع وشراب، امام اعظم کے نزدیک صحیح ہے۔

جواب:

اس عبارت کے آگے کا فقرہ "مع أَشَدِّ كَرَاهَتِهِ" لکھتے آپ کی قلم ٹوٹ جاتی تھی جو آپ نے دیدہ ودانستہ چھوڑ دیا، لیکن اگر آپ لکھ دیتے تو اعتراض کس طرح ہو سکتا، یہاں تو آپ نے بعینہ ﴿لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ﴾ پر عمل کیا ہے، جس سے آپ کی دیانتداری خوب ٹپک رہی ہے۔ خلاصہ یہ کہ ایسی توکیل وبیع وشرا امام اعظم [عَلَيْهِ الرَّحْمَه] کے نزدیک جائز ہے، مگر سخت تر کراہیت یعنی، مکروہ تحریمی کے ساتھ۔ سو اس سے زیادہ کسی حدیث سے ثابت نہیں۔

قولہ:

"فتاویٰ قاضی خان" جلد اوّل، صفحہ ۱۰۵ میں لکھا ہے کہ:

اگر کوئی چوپائے یا مردے میں دخول کرے اور اس کو انزال ہو تو اس کا روزہ نہیں ٹوٹتا۔ پھر اسی کے صفحہ ۱۰۰ میں لکھا ہے:

جب کہ جماع کرے ساتھ چوپائے کے اور انزال نہ ہو یا جماع کرے مردے کو یا مشت زنی کرے اور انزال نہ ہو یا جماع کرے فرج کی اور انزال نہ ہو تو ان سب صورتوں میں روزہ نہیں ٹوٹتا اور اگر انزال ہو تو روزہ کی قضا ہے، نہ کفارہ۔

جواب:

اعتراض تو تب عائد ہو سکتا تھا کہ آپ کسی حدیث سے مخالفت ثابت کرتے، صرف زبانی جمع وخرچ پر آپ کی کون مان سکتا ہے۔ یوں تو ہر ایک شخص ہر ایک مسئلہ کو

جس کو وہ اپنے نزدیک غیر معقول جانے، مردود کہہ کر مجتہد بن سکتا ہے۔ فقہاء کے ان مسائل کے بیان کرنے سے یہ غرض نہیں کہ چوپایہ و مردہ کے ساتھ جماع مباح ہے، بلکہ ایسا کرنے والا سخت گنہگار ہو کر تعزیر کا مستوجب ہے۔ چناں چہ انہوں نے اپنے اپنے موقع پر بیان کر دیا ہے، یہاں صرف یہ جتایا ہے کہ اگر کوئی روزہ دار ایسا کر بیٹھے اور اس کو انزال نہ ہو تو اس کا روزہ نہیں ٹوٹتا؛ کیوں کہ مردہ و بہیمہ کا فرج عادتاً غیر مشتہی محل ہے اور جماع "**دخول الفرج فی فرج المشتھی**" کا نام ہے جیسا کہ "شامی"[1] میں لکھا ہے اور وہ یہاں واقع نہیں ہوا۔

اسی طرح مشت زنی اور تفخیذین[دورانوں] میں مباشرت فرج کی غیر فرج میں ہے۔ پس ایسی صورتوں میں بغیر انزال کے- جو معناً جماع ہے-روزہ نہیں ٹوٹتا اور انزال ہونے پر، اس لئے صرف قضا ہے اور کفارہ نہیں کہ قضائے شہوت ناقص طور پر ہوئی ہے۔ چناں چہ "قاضی خان" میں ہی اس کے آگے یہ صاف لکھا ہے:

لوجود قضاء الشھوۃ بصفۃ النقصان. انتھی[2]

[یعنی، انزال ہونے پر صرف قضا ہے، کفارہ نہیں کہ قضائے شہوت ناقص طور پر ہوئی ہے۔]

قولہ:

"فتاویٰ قاضی خان" صفحہ ۱۷۰ میں لکھا ہے کہ:

جب کہ سوئی ہوئی اور مجنونہ عورت سے صحبت کرے اُن کا خاوند تو ان دونوں پر روزہ کی قضا ہے، نہ کفارہ اور کہا زفر نے کہ نہیں روزہ ٹوٹتا ان دونوں کا۔

جواب:

جب سوئی ہوئی اور مجنونہ عورت کو یہ خبر ہی نہیں کہ اُس سے جماع کیا گیا تو پھر اُن پر کفارہ کیسا؟ ہاں! اگر مردوطی کنندہ کی نسبت یہ کہا جاتا کہ اُس پر قضا ہے، نہ کفارہ تو البتہ

---

(1)۔۔: دیکھو جلد ثانی، صفحہ ۱۰۰۔

(2)۔۔: [فتاویٰ قاضي خان: کتاب الصوم، الفصل السادس فیما یفسد الصوم، 186/1]

جائے اعتراض تھی، حالاں کہ اُس پر قضاء و کفارہ دونوں ہیں۔ چناں چہ ''شامی'' میں لکھا ہے:

وَأَمَّا الْوَاطِئُ فَعَلَيْهِ الْقَضَاءُ وَالْكَفَّارَةُ. (1)

[یعنی، جماع کرنے والے پر قضاو کفارہ دونوں ہیں۔]

اور امام زفر نے جو کہا کہ ان عورتوں کا روزہ نہیں ٹوٹتا، کچھ بے جا نہیں کہا، بلکہ مقتضائے قیاس بھی یہی ہے کہ اُن کا روزہ نہ ٹوٹے؛ کیوں کہ عمداً جماع نہیں کرایا۔ چناں چہ امام زفر کی یہی دلیل ہے جس کو ''قاضی خان'' نے بالفاظ "**لأنهما في معنى النسيان**"(2) بیان کیا ہے، بلکہ امام زفر کے قول پر اعتراض کرنا گویا آپ کا اپنے رسالہ ''فتح المغیث''(3) کو مردود کہنا ہے؛ کیوں کہ اس کے صفحہ ۱۶ میں لکھا ہے کہ:

جاتا رہتا ہے روزہ کھانے، پینے اور صحبت کرنے سے جان بوجھ کر۔ انتہی

افسوس! ایسے ہی دنیا میں دانا لوگ ہیں جن کو اپنے گھر کی خبر نہیں اور اُلٹے اوروں پر طعن کرتے ہیں۔

تو بر اوج فلک چه دانی کیست
چون نه دانی که در سرائے تو چیست

قولہ:

''غایۃ الاوطار'' کے صفحہ ۴۱۶ میں لکھا ہے:

حد نہیں غیر مکلّف کے زنا کرنے سے ساتھ عورت مکلّفہ کے مطلقاً، نہ مرد پر نہ عورت پر اور حد نہیں اس عورت کے ساتھ زنا کرنے سے جس کو زنا کرنے کے واسطے

(1)۔۔: جلد دوم، صفحہ ۱۰۴۔ [رد المحتار علی الدر المختار: کتاب الصوم، باب ما يفسد الصوم وما لا يفسده، 405/2]

(2)۔۔: [فتاوىٰ قاضي خان: كتاب الصوم، الفصل السادس فيما يفسد الصوم، 186/1]

(3)۔۔: [یہ رسالہ قاضی محمد بن محمد علی شوکانی یمانی (م: ۱۲۵۵ھ) کے رسالہ "درر البهية" کا اردو ترجمہ ہے، جو حسبِ فرمائش شیخ محی الدین تاجر کتب لاہور بازار کشمیری مطبع صدیقی لاہور سے چھپا تھا۔
(رسائل محدّثِ قصوری: رسالہ عروۃ المقلّدین، ضمیمہ، 1/364 ملخصاً)

مزدوری دی۔

جواب:

ان مسائل میں کوئی مخالفت حدیث کی نہیں، اگر ہے تو بیان کرو اور پہلے مسئلہ میں اس لئے حد نہیں کہ زنا کے معاملہ میں مرد کا فعل اصل ہے اور عورت اس کے تابع ہے اور جب مرد پر سے بسبب غیر مکلّف شرعی ہونے کے حدّ ساقط ہو گئ تو تابع کے حق میں خود بخود ساقط ہو گئی، جیسا کہ ''شامی'' میں لکھا ہے۔ (1)

اور عورت پر سے حد کی ساقط ہونے سے یہ ہر گز لازم نہیں آتا کہ وہ گناہ گار بھی نہ ہوئی، بلکہ گناہ گار ہو کر مستوجب تعزیر ہے۔

اور دوسرے مسئلہ میں اس لئے حدّ نہیں کہ اجارہ سے صورت عقد کی پیدا ہو کر شبہ پڑ گیا، لیکن تعزیر دونوں کو دی جائے گی۔ چناں چہ ''مستخلص'' میں لکھا ہے:

أن صورة العقد أورثه شبهة فيسقط به الحد لكنه يعزّر؛لأنه ارتكب حراماً.انتهى (2)

[یعنی، اس معاملہ میں صورت عقد کی پیدا ہو کر شبہ ہو گیا، جس سے حد ساقط ہو گئی، لیکن تعزیز کی جائے گی کہ حرام کا ارتکاب کیا ہے۔]

قولہ:

اُسی کتاب کے صفحہ ۱۰۶ میں لکھا ہے کہ:

کتے کو اپنے ساتھ اٹھا کر (یعنی بغل میں دبا کر نماز پڑھنی درست ہے)۔

جواب:

یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے، جو فقہاء کسی کُتے نجسِ عین خیال نہیں کرتے وہ تو درست سمجھتے ہیں اور جو نجس جانتے ہیں، نادرست کہتے ہیں اور درست کہنے والے بھی صرف اسی

---

(1)۔۔: جلد ثالث، صفحہ ۱۵۷۔ [رد المحتار على الدر المختار: كتاب الحدود، باب الوطء الذي يوجب الحدو الذي لا يوجبه، فرع الاستمناء، 29/4]

(2)۔۔: حاشیہ کنز، کلاں، صفحہ ۱۶۸۔

حالت میں جواز کے قائل ہیں کہ جب کتے کا منہ بندھا ہوا ہو اور اس کے منہ کا لعاب –جو پلید ہے– کپڑوں کو نہ لگتا ہو، چناں چہ "شامی" میں مفصّل لکھا ہے۔[1]

ایسے واقعات شاذونادر ہی وقوع میں آتے ہیں اور فقہا رَحِمَهُمُ اللّٰهُ عَلَيْهِم نے قواعدِ فقہیہ کے مطابق استخراج کر کے اس لئے ان کو کتابوں میں لکھ دیا کہ بالفرض والتقدیر اگر کبھی ایسا وقوع میں آجائے تو لوگ حیران نہ ہوں اور یہ مسئلہ کتاب میں دیکھ لیں۔ آپ کا ان کو مردود کہنا اس وقت مناسب تھا کہ جب آپ ان کو کسی آیت قرآنیہ یا حدیث یا قول صحابہ و تابعین کے مخالف ثابت کرتے اور اُس وقت جواب بھی ترکی بہ ترکی سن لیتے، لیکن آپ کو واضح رہے کہ فقہ حنفیہ کے مسائل ایسے ادلّہ پر مبنی نہیں ہیں کہ آپ جیسے تیرہویں صدی کے اردو ترجمہ خواں ان میں کوئی نقص نکال کر ان کو مردود کہہ سکیں۔ یہاں تو مذاہبِ اربعہ کے بڑے بڑے فقہاء وارکانِ دین کے عقول حیران ہیں اور ان کو مثل سدِّ سکندری کے مستحکم و مضبوط جانتے ہیں۔ چناں چہ عارف نامی صاحبِ "میزان" شعرانی باوجود مالکی مذہب ہونے کے اپنی "میزان" کے صفحہ ۶۹ میں لکھتے ہیں:

لو أنصف المقلّدون للإمام مالک والإمام الشافعی رضی اللہ عنهما لم یضعف أحد منهم من أقوال الإمام أبی حنیفة رضی اللہ عنه.[2]

اگر امام مالک وامام شافعی کے مقلّد انصاف کریں تو کسی قول کو اقوالِ امام ابو حنیفہ سے ضعیف نہ کہیں۔

پھر صفحہ ۷۰ میں لکھتے ہیں:

وقد تتبعت بحمد اللہ أقواله وأقوال أصحابه لما ألفت کتاب "أدلة المذاهب" فلم أجد قولاً من أقواله وأقوال اتباعه إلا وهو مستند إلی آیة أو حدیث أو أثر أو إلی مفهوم ذالک أو حدیث ضعیف کثرت طرقه أو إلی قیاس صحیح علی أصل

---

(1)۔۔: دیکھو جلد اوّل، صفحہ ۱۳۹۔

(2)۔۔: [کتاب المیزان: فصول فی بعض الاجوبة عن الامام ابی حنیفة، الفصل الاوّل، 220/1]

صحيح فمن أراد الوقوف على ذالك فليطالع كتابي المذكور. (1)

یعنی، جب میں نے کتاب "أدلة المذاهب" تالیف کی تو امام ابو حنیفہ اور اُن کے اصحاب کے اقوال کی پیروی کی اور نہ پایا کسی قول کو اُن کے اور اُن کے اصحاب کے اقوال سے، مگر یہ کہ وہ مستند تھا آیت یا حدیث یا اثر یا ان کے مفہوم یا حدیثِ ضعیف کثیر الطرق یا قیاسِ صحیح پر۔ پس جو شخص اس پر واقف ہونا چاہے، وہ میری کتابِ مذکور کو مطالعہ کرے۔

پھر اسی کتاب کے صفحہ ۶۸ میں لکھتے ہیں:

وأنه ما طعن أحد في قول من أقوالهم إلا لجهله به إما من حيث دليله وإما من حيث دقة مداركه عليه لا سيما الإمام الأعظم أبو حنيفة النّعمان بن ثابت رضي الله عنه الذي أجمع السلف والخلف على كثرة علمه وورعه وعبادته ودقة مداركه وإستنباطاته. (2)

یعنی تحقیق کسی نے طعن نہیں کیا کسی قول میں ان کے اقوال سے مگر بسبب جہل کے اس کے ساتھ یا تو دلیل کے رو سے یا اس کے دقیق مدارک واستنباطات پر اجماع کیا ہے۔

حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی اپنے "مکتوبات" جلد دُوم کے مکتوب ۵۵ کے صفحہ ۱۰۷و۱۰۸ میں لکھتے ہیں:

مثل[عیسی]روح الله مثل امام اعظم کوفی است که ببرکت ورع و تقوی ودولتِ متابعت سنت درجه علیا در اجتهاد و استنباط یافته است که دیگران در فهم او عاجز اند و مجتهدات او را بواسطه وقت معانی مخالف کتاب و سنت دانند و او را از اصحاب الرائے پندارند **کلّ ذلک لعدم الوصول الی حقیقة علمه و درایته و عدم الاطلاع علی فهمه و فراسته.**

---

(1)۔۔:[کتاب المیزان:فصول فی بعض الاجوبة عن الامام ابی حنیفة،الفصل الاوّل،221/1۔222]

(2)۔۔:[کتاب المیزان:فصل (فیمانقل عن الامام احمد من ذمه الرای...)،218/1]

مگر امام شافعی رحمة الله علیه شمه از فقاہتِ او علیه الرضوان دریافت که گفت:

الفُقَهَاء كلّهُم عِيَالُ أَبِي حَنِيفَةَ فِي الفِقْه.

---بے شائبه تکلف و تعصب گفته میشود که نورانیتِ مذہبِ حنفی بنظرِ کشفی در رنگ دریائے عظیم می نمائید و سائر مذاہب برنگ حیاض و جداول نظر می آید---ناقصان چند احادیث را یاد گرفته اند و احکام شرعیه را در آن منحصر ساخته ماورائے معلوم خود را نفی مینمائند---

چو آن کرمیکه در سنگے نہاں ست
زمین و آسمان او ہمان ست

وائے ہزار وائے از تعصبہائے باریک ایشاں و از نظر ہائے فاسد ایشان بانی فقه ابو حنیفه است و سه حصه فقه اورا مسلم داشته اند و در ربع باقی ہمه شرکت دارند در فقه صاحب خانه او ست و دیگراں ہمه عیال وی اند۔انتہی[1]

[یعنی، حضرت عیسیٰ روح اللہ عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْهِ الصَّلَاۃُ وَالسَّلَامُ کی مثال حضرت امام اعظم کوفی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ کی سی مثال ہے، جنہوں نے ورع و تقویٰ کی برکت اور سنّت کی متابعت کی دولت سے اجتہاد و استنباط میں وہ بلند درجہ حاصل کیا ہے، جس کو دوسرے لوگ سمجھ نہیں سکتے اور ان کے مجتہدات کو دقّتِ معانی کے باعث کتاب و سنّت کے مخالف سمجھتے ہیں اور ان کو اور ان کے اصحاب کو اصحابِ رائے خیال کرتے ہیں، یہ سب کچھ ان کی حقیقت و روایت تک نہ پہنچنے اور ان کے فہم و فراست پر اطلاع نہ پانے کا نتیجہ ہے۔

امام شافعی رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ نے-کہ جنہوں نے ان کی فقاہت کی باریکی سے

---

(1)--:[مکتوباتِ امام ربانی:دفترِ دوم،حصه ہفتم،مکتوب نمبر55۔14/2۔15]

تھوڑاسا حصہ حاصل کیا ہے-فرمایا ہے:

الفُقَهَاء كلّهُم عِيَالُ أَبِي حَنِيفَةَفِي الفِقْه.

یعنی، سب فقہا امام ابو حنیفہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ کے عیال (خوشہ چین) ہیں۔

...بلا تکلّف و تعصّب کہا جاتا ہے کہ اس مذہبِ حنفی کی نورانیّت کشفی نظر میں دریائے عظیم کی طرح دکھائی دیتی ہے اور دوسرے تمام مذہب حوضوں اور نہروں کی طرح نظر آتے ہیں اور یہ ظاہر میں بھی ملاحظہ کیا جاتا ہے...ان چند ناقصوں نے چند حدیثوں کو یاد کرلیا ہے اور شریعت کے احکام کو انہی پر موقوف رکھا ہے اور اپنے معلوم کے ماسوا سب کی نفی کرتے ہیں (اور جو کچھ ان کے نزدیک ثابت نہیں ہوا، اس کا انکار کرتے ہیں)۔

بیت:

چو آن کرمیکه در سنگے نہاں ست
زمین و آسمان او ہمان ست
یعنی، وہ کیڑا جو کہ پتھر میں نہاں ہے
وہی اس کا زمین و آسمان ہے

ان بے ہودہ تعصّبوں اور فاسد نظروں پر ہزار ہا افسوس ہے۔ فقہ کے بانی حضرت امام ابو حنیفہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ ہیں اور فقہ کے تین حصے آپ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ کو مسلّم ہیں اور باقی چوتھے حصہ میں سب شریک ہیں۔ فقہ میں صاحبِ خانہ آپ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ ہی ہیں اور دوسرے سب آپ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ کے عیال ہیں۔]

اور شاہ ولی اللہ صاحب محدّثِ دہلوی نے رسالہ "فیوض الحرمین" میں لکھا ہے:

وعرفني رسول الله صلى الله عليه وسلم أن في المذهب الحنفي طريقة أنيقة هي أوفق الطرُق بالسنة المعرُوفة التي جمعت ونقحت في زمان البخاري وأصحابه. انتهى(1)

(1)۔۔:[فیوض الحرمین (مع ترجمہ سعادتِ کونین): المشاهدة التاسعة والعشر، ص48]

یعنی، معلوم کروایا مجھ کو رسولِ خدا نے کہ مذہبِ حنفی مذہب پسندیدہ ہے وہ موافق تر ہے اور مذاہب سے سنتِ معروفہ کے ساتھ جو جمع اور پختہ ہوئی زمانۂ بخاری اور ان کے اصحاب میں۔

"دراسات اللبیب" کے صفحہ ۳۶۱ میں لکھا ہے:

وقد قال عروس العارفين عثمان ابن على الجلابى المعروف الهجويرى فى "كشف المحجوب": أن معاذ الرازى رأى النبى صلى الله عليه وسلم، فقال: أين أطلبك يارسول الله؟ قال: عند فقه أبى حنيفة. انتهى (1)

یعنی، حضرت داتا گنج بخش صاحب "کشف المحجوب" میں لکھتے ہیں کہ تحقیق معاذ رازی نے دیکھا آں حضرت [صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّم] کو، پس عرض کیا کہ آپ کو کہاں ڈھونڈوں؟ آپ نے فرمایا کہ امام ابوحنیفہ کی فقہ کے پاس۔

صاحبِ "میزان" الشعرانی اپنی کتاب کے صفحہ ۷۰ میں اس شخص کی تردید میں جس نے امام فخر الدین رازی کی کتاب سے کچھ اعتراض امام ابوحنیفہ پر جمع کئے تھے، اس طرح تحریر فرماتے ہیں:

فقلت له: إن الفخر الرازى بالنسبة إلى الإمام أبى حنيفة كطالب العلم أو كآحاد الرعية مع السلطان الأعظم او كآحاد النجوم مع الشمس وكما حرم العلماء على الرعية الطعن على إمامهم الأعظم إلا بدليل واضح كالشمس فكذالك يحرم على المقلّدين الإعتراض والطعن على أئمتهم فى الدين إلا بنص واضح لا يحتمل التأويل. انتهى (2)

یعنی، میں نے اس کو کہا کہ امام فخر الدین رازی بہ نسبت امام ابوحنیفہ کے مثل ایک طالب علم کے ہیں یا اس کو ایسی نسبت ہے جیسے ایک بڑے بادشاہ کے ساتھ رعایا میں سے کسی شخص کو یا ایک ستارہ کو سورج کے ساتھ اور جس طرح علماء نے رعیت کو اپنے بادشاہوں پر بغیر دلیل سورج جیسی روشن کو طعن کرنا حرام کیا ہے اسی طرح مقلدین پر

(1)۔۔:[دراسات اللبیب: کتاب تک رسائی نہیں ہو سکی۔]

(2)۔۔:[کتاب المیزان: فصول فی بعض الاجوبۃ عن الامام ابی حنیفۃ، الفصل الاوّل، 223/1]

بغیر نص روشن غیر محتمل تاویل کے اپنی ائمہ دین پر اعتراض وطعن کرنا حرام کیا ہے۔

اسی طرح اور بہت سے علمائے کرام نے امام ابو حنیفہ اور اُن کی توثیق میں دفتر کے دفتر لکھے ہیں۔ جس کو اُن کا ثمر دیکھنا مطلوب ہو، میری کتاب "**حدائق الحنفیه**"[1] سے-جو عن قریب چھپنے والی ہے-دیکھ لے۔

پس یہاں غور کرنا چاہیے کہ جب بقول عارف شعرانی امام فخر الدین رازی جیسے شخص کو جو اپنے زمانہ کے امام اجل گذرے ہے، امام ہمام ابو حنیفہ کے آگے ایک ادنیٰ طالب علم جیسی حیثیت ہے تو آپ اردو ترجمہ خواں کس قطار و شمار میں ہیں؟ بقول مشہور:

"کیا پدی اور کیا پدی کا شوروا"

یہ آپ اچھی طرح سے سمجھ رکھیں کہ زبان درازی سے فقہ حنفیہ کا تو کچھ نہیں بگڑے گا، صرف آپ ہی ٹکریں مار مار کر رہ جائیں گے۔

یا ناطِحَ الجبَلَ العالي ليَكْلِمَه

أَشفِقْ على الرّأسِ لا تُشفِقْ على الجبَلِ

[اے اونچے پہاڑ پر سینگ مارنے والے! تاکہ تو اس کو زخمی کر دے]

[اپنے سر پر رحم کر! پہاڑ پر رحم نہ کر!]

﴿رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ﴾

تمّتْ

---

(1)۔۔:[یہ کتاب دار الاسلام لاہور وغیرہ سے شائع ہو چکی ہے اور مارکیٹ میں دستیاب ہے۔]

ماخذومراجع

(تحقیق، تخریج و تحشیہ میں جن کتب سے مدد لی گئی)

(1).. قرآن مجید: کلامِ باری تعالیٰ

(2).. کنزالایمان فی ترجمۃ القرآن؛ مترجم: امامِ اہلِ سنت مولانا شاہ امام احمد رضا خان حنفی قادری محدّثِ بریلوی (م: 1340ھ)، ناشر: مکتبۃ المدینہ - کراچی

کتبِ تفاسیر

(3).. معالم التنزيل في تفسير القرآن / تفسير البغوي؛ مؤلف: محيي السنة، أبو محمد الحسين بن مسعود بن محمد بن الفراء البغوي الشافعي (م: 510هـ)، محقق: عبد الرزاق المهدي، ناشر: دار إحياء التراث العربي - بيروت، الطبعة: الأولى، 1420هـ

(4).. أنوار التنزيل وأسرار التأويل؛ مؤلف: ناصر الدين أبو سعيد عبدالله بن عمر بن محمد الشيرازي البيضاوي (م: 685هـ)، محقق: محمد عبد الرحمن المرعشلي، ناشر: دار إحياء التراث العربي - بيروت، الطبعة الأولى: 1418هـ

(5).. تفسير النسفي (مدارك التنزيل وحقائق التأويل)؛ مؤلف: أبو البركات عبد الله بن أحمد بن محمود حافظ الدين النسفي (م: 710هـ)، حققه وخرج أحاديثه: يوسف علي بديوي، راجعه وقدم له: محيي الدين ديب مستو، ناشر: دار الكلم الطيب، بيروت، الطبعة الأولى: 1419هـ-1998م

(6).. تنوير المقباس من تفسير ابن عباس؛ ينسب: لعبدالله بن عباس - رضي الله عنهما - (م: 68هـ)، جمعه: مجدالدين أبو طاهر محمد بن يعقوب الفيروزآبادى (م: 817هـ)، ناشر: دار الكتب العلمية - لبنان

(7).. تفسیرِ قادری ترجمہ اردو تفسیرِ حسینی؛ مصنّف: ملا حسین واعظ بن علی کاشفی، مترجم: مولوی فخر الدین احمد حنفی رزاقی قادری ساکن لکھنو محلہ دار العلم فرنگی محل، ناشر: مطبع نامی منشی نول کشور۔ لکھنو

(8).. التفسیرات الاحمدیۃ فی بیان الآیات الشرعیۃ؛ مؤلف: شیخ احمد المعروف ملا احمد جیون حنفی جون پوری، ناشر: مکتبہ اسلامیہ۔ کوئٹہ

(9).. حاشیۃ العلامۃ عبدالحکیم سیالکوتی علی التفسیر للقاضی البیضاوی؛ محشی: ملک العلماء علامہ ملا عبدالحکیم سیالکوٹی (م: 1067ھ)، ناشر: مکتبہ عزیزیہ، کونسی روڈ، کوئٹہ - پاکستان

کتبِ احادیث

(10)..صحيح البخاري؛مؤلف: محمد بن إسماعيل أبو عبدالله البخاري الجعفي، محقق: محمد زهير بن ناصر الناصر، ناشر: دار طوق النجاة۔الطبعة: الأولى، 1422هـ

(11)..صحيح مسلم؛مؤلف:مسلم بن الحجاج أبو الحسن القشيري النيسابوري (م: 261هـ)، محقق:محمدفؤادعبدالباقي، ناشر:دارإحياءالتراث العربي—بيروت

(12)..سنن أبي داود؛مؤلف: أبو داود سليمان بن الأشعث بن إسحاق بن بشير بن شداد بن عمرو الأزدي السِّجِسْتاني (م: 275هـ)، محقق: شعَيب الأرنؤوط - محَمَّد كامِل قره بللي، ناشر: دار الرسالةالعالمية، الطبعة: الأولى، 1430هـ-2009م

(13)..سنن ابن ماجه؛مؤلف: ابن ماجة أبو عبد الله محمد بن يزيد القزويني، (م: 273هـ)، تحقيق: شعيب الأرنؤوط - عادل مرشد - محمَّد كامل قره بللي - عَبد اللّطيف حرز الله، الطبعة: الأولى، 1430هـ-2009م، ناشر: دار الرسالة العالمية

(14)..المعجم الكبير؛مؤلف: سليمان بن أحمد بن أيوب بن مطير اللخمي الشامي، أبو القاسم الطبراني(م:360هـ)، محقق: حمدي بن عبدالمجيد السلفي، دار النشر: مكتبة ابن تيمية-القاهرة

(15)..المستدرک على الصحيحين؛مؤلف: أبو عبد الله الحاكم محمد بن عبد الله بن محمد بن حمدويه بن نُعيم بن الحكم الضبي الطهماني النيسابوري المعروف بابن البيع (م: 405هـ)، تحقيق: مصطفى عبدالقادر عطا، ناشر: دار الكتب العلمية—بيروت، الطبعة: الأولى، 1411—1990

(16)..الآثار لمحمد بن الحسن؛مؤلف: الامام الحافظ ابي عبد الله محمد بن الحسن الشيباني، محقق: أبو الوفا الأفغاني، دار النشر: دار الكتب العلمية، بيروت-لبنان

(17)..مشكاة المصابيح؛مؤلف: محمد بن عبد الله الخطيب العمري، أبو عبد الله، ولي الدين، التبريزي(م: 741هـ)، محقق: محمد ناصر الدين الألباني، ناشر: المكتب الإسلامي - بيروت، الطبعة: الثالثة، 1985

(18)..مسند البزار المنشور باسم البحر الزخار؛مؤلف: أبو بكر أحمد بن عمرو بن عبد الخالق بن خلاد بن عبيد الله العتكي المعروف بالبزار (م: 292هـ)، محقق: محفوظ الرحمن زين الله، (حقق الأجزاء من 1 إلى 9)، وعادل بن سعد (حقق الأجزاء من 10 إلى 17) وصبري عبد الخالق الشافعي

(حقق الجزء 18)، ناشر: مكتبة العلوم والحكم - المدينة المنورة، الطبعة: الأولى، (بدأت 1988م، وانتهت 2009م)

(19).. كنز العمال في سنن الأقوال والأفعال؛ مؤلف: علاء الدين علي بن حسام الدين ابن قاضي خان القادري الشاذلي الهندي البرهانفوري ثم المدني فالمكي الشهير بالمتقي الهندي (م: 975هـ)، محقق: بكري حياني - صفوة السقا، ناشر: مؤسسة الرسالة، الطبعة: الطبعة الخامسة، 1401هـ/1981م

(20).. موطأ مالک بروایة محمد بن الحسن الشیباني؛ مؤلف: مالک بن أنس بن مالک بن عامر الأصبحي المدني (م: 179هـ)، تعليق وتحقيق: عبد الوهاب عبد اللطيف، ناشر: المكتبة العلمية

(21).. ترتيب مسند الامام العظم (من رواية القاضي الامام المحدّث العلامة صدر الدين موسى بن زكريا الحصكفى، م: 650ھ)؛ لخاتمة الحفاظ محمد عابد السندى الانصارى (م: 1257ھ)، (مع شرح، تنسيق النظام فى مسند الامام، العلامة الشيخ محمد حسن السنبلى، م: 1305ھ)، ناشر: مكتبة البشرى - كراتشى

(22).. الحصن الحصين من كلام سيد المرسلين؛ مؤلف: شمس الدين أبو الخير ابن الجزري، محمد بن محمد بن يوسف (م: 833هـ)، اعتنى به: هيثم طعَيمى، ناشر: المكتبة العصرية - بيروت

(23).. مسند أبي حنيفة رواية الحصكفي؛ مؤلف: أبو حنيفة النعمان بن ثابت بن زوطي بن ماه (م: 150هـ)، تحقيق: عبد الرحمن حسن محمود، ناشر: الآداب - مصر

شروحاتِ حدیث

(24).. إرشاد الساري لشرح صحيح البخاري؛ مؤلف: أحمد بن محمد بن أبى بكر بن عبد الملک القسطلاني القتيبي المصري، أبو العباس، شهاب الدين (م: 923هـ)، ناشر: المطبعة الكبرى الأميرية، مصر۔ الطبعة: السابعة، 1323هـ

(25).. مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح؛ مؤلف: الامام المحدّث علي بن (سلطان) محمد، أبو الحسن نور الدين الملا الهروي القاري (م: 1014هـ)، ناشر: دار الفكر، بيروت — لبنان۔ الطبعة: الأولى، 1422هـ - 2002م

(26).. المنهاج شرح صحيح مسلم بن الحجاج؛ مؤلف: أبو زكريا محيي الدين يحيى بن شرف النووي (م: 676هـ)، ناشر: دار إحياء التراث العربي، بيروت۔ الطبعة الثانية: 1392ھ

(27).. مسوّی شرح مؤطا امام مالک (مع مصفّی، فارسی)؛ مؤلف: شاہ ولی اللہ محدّثِ دہلوی، (م: 1174ھ) ناشر: محمد علی کارخانہ اسلامی کتب، خان محل، دستگیر کالونی۔ کراچی

(28)..اشعة اللمعات شرح مشکاۃ المصابیح؛مؤلف:ابو المجدشیخ محقّق مولانا شاہ عبدالحق بن سیف الدین بخاری محدّث دهلوی،(پ:958ھ/م:1052ھ)،ناشر:کتب خانہ مجیدیہ۔ملتان

(29).. الحرز الثمين للحصن الحصين،مؤلف:الامام المحدّث علي بن (سلطان) محمد، أبو الحسن نور الدين الملا الهروي القاري(م: 1014ھ) ، تحقيق: د/محمد اسحاق محمد آل ابراهيم،الطبعۃ الاولی:۱۴۳۴ھ/2013ء،مکتبۃ الملک فهد-سعودیہ

(30)..شرح سفر السعادت، مؤلف: ابو المجدشیخ محقّق مولانا شاہ عبدالحق بن سیف الدین بخاری محدّث دهلوی،(پ:958ھ/م:1052ھ)،ناشر:مکتبہ نوریہ رضویہ، سکھر-پاکستان۔ سنِ اشاعت:۱۳۹۸ھ۔1978ء

کتبِ علومِ حدیث / اصولِ حدیث

(30)..تقريب التهذيب،مؤلف: أبو الفضل أحمد بن علي بن محمد بن أحمد بن حجر العسقلاني (م:852ھ)،محقق:محمد عوامة،ناشر:دار الرشيد-سوريا۔الطبعة:الأولى،1406-1986

(32)..الآثار المرفوعة في الأخبار الموضوعة،مؤلف: محمد عبد الحي بن محمد عبد الحليم الأنصاري اللكنوي الهندي، أبو الحسنات (م:1304ھ)،محقق:محمد السعيد بسيوني زغلول، ناشر:مكتبة الشرق الجديد-بغداد

(33)..المصنوع في معرفة الحديث الموضوع (الموضوعات الصغرى)،مؤلف: علي بن (سلطان) محمد، أبو الحسن نور الدين الملا الهروي القاري (م:1014ھ)،محقق:عبد الفتاح أبو غدة،ناشر:مؤسسة الرسالة–بيروت۔الطبعة الثانية:1398ھ

کتبِ تاریخ، سیر و فضائل

(34)..مدارج النبوۃ، مؤلف: ابو المجدشیخ محقّق مولانا شاہ عبدالحق بن سیف الدین بخاری محدّث دهلوی،(پ:958ھ/م:1052ھ)،ناشر:مکتبہ نوریہ رضویہ، سکھر-پاکستان

(35)..معجم المؤلفين،مؤلف: عمر بن رضا بن محمد راغب بن عبد الغني كحالة الدمشق (م: 1408ھ)،ناشر:مكتبة المثنى-بيروت، دار إحياء التراث العربي-بيروت

(36)..الأعلام،مؤلف: خير الدين بن محمود بن محمد بن علي بن فارس، الزركلي الدمشقي (م: 1396ھ)،ناشر:دار العلم للملايين، الطبعة الخامسة عشر:2002م

(37)..امام احمد رضا ایک مظلوم مفکر؛تصنیف:علامہ عبد الستار ہمدانی برکاتی نوری مصروفؔ، ناشر:مرکز اہل السنۃ برکات رضا، پوربندر، گجرات-انڈیا۔ سن اشاعت:بارِ سوم ۱۴۲۹ھ ۔2009ء

کتبِ عقائد و کلام

(38)..منح الروض الازهر شرح الفقه الاكبر؛علي بن(سلطان)محمد، أبو الحسن نور الدين الملا الهروي القاري(م:1014هـ)، ناشر:مكتبة المدينه باب المدينه۔ کراچی

(39)..رد قادیانیت اور سنّی صحافت، جلد اوّل؛مؤلّف:محمد ثاقب رضا قادری، ناشر: مکتبۂ اعلیٰ حضرت-لاہور، سنِ اشاعت:2014ء

کتبِ فقہ و فتاویٰ

(40)..رد المحتار على الدر المختار؛مؤلف:ابن عابدين، محمد أمين بن عمر بن عبد العزيز عابدين الدمشقي الحنفي(م:1252هـ)، ناشر:دار الفكر-بيروت، الطبعة:الثانية، 1412هـ-1992م

(41)..الهداية في شرح بداية المبتدي؛مؤلف:علي بن أبي بكر بن عبد الجليل الفرغاني المرغيناني، أبو الحسن برهان الدين(م:593هـ)، محقق:طلال يوسف، ناشر:دار احياء التراث العربي-بيروت

(42)..الدر المختار شرح تنوير الأبصار و جامع البحار؛مؤلف:محمد بن علي بن محمد الحِصْني المعروف بعلاء الدين الحصكفي الحنفي(م:1088هـ)، محقق:عبد المنعم خليل إبراهيم، ناشر: دار الكتب العلمية۔ الطبعة:الأولى، 1423هـ-2002م

(43)..البحر الرائق شرح كنز الدقائق؛مؤلف:زين الدين بن إبراهيم بن محمد، المعروف بابن نجيم المصري(م:970هـ)، وفي آخره:تكملة البحر الرائق لمحمد بن حسين بن علي الطوري الحنفي القادري(ت بعد1138هـ)، و بالحاشية:منحة الخالق لابن عابدين، ناشر:دار الكتاب الإسلامي

(44)..فتاویٰ رضویہ؛تصنیف: امامِ اہلِ سنت مولانا شاہ امام احمد رضا خان حنفی قادری محدّثِ بریلوی (م:1340ھ)، ناشر:رضا فاؤنڈیشن—لاہور

(45)..فتاوى قاضي خان؛مؤلف:مولانا قاضي القضاة الإمام الأجل الكبير الأستاذ فخر الملة و الدين حسن بن منصور بن محمود الأوزجندي الفرغاني(م:592)، ناشر:قديمى كتب خانه-كراچى

(46)..شرح العینی علی کنز الدقائق المسمی بہ رمز الحقائق،مؤلف: أبو محمد محمود بن أحمد بن موسی بن أحمد بن حسین الغیتابی الحنفی بدر الدین العینی (م: 855ھ)، ناشر:ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیۃ-کراچی،پاکستان

(47)..حاشیۃ الچلپی علی شرح الوقایۃ،محشی:علامہ حسن چلپی بن شمس الدین محمد شاہ فناری(ت:840ھ۔م:886ھ)،ناشر:مطبع افضل المطابع شیخ الٰہی بخش،میرٹھ۔سنۃ النشر:1278ھ

(48)..کتاب المیزان،مؤلف:الشیخ العلامۃ أبو المواھب عبد الوھّاب بن أحمد بن علي الأنصاري الشعراني(م:973ھ)،محقق:عبد الرحمن عمیرۃ،ناشر:عالم الکتب، الطبعۃ الأولی: 1409ھ/1989م

(49)..عقود الجواھر المنیفۃ فی أدلۃ مذھب الامام أبی حنیفۃ مما وافق فیہ الأئمۃ الستۃ أو أحدھم،تالیف:الشیخ العلامۃ الامام السید محمد مرتضی الحسینی الزبیدی، ناشر: المطبعۃ الوطنیۃ-سکندریہ۔الطبعۃ الاولی:۱۲۹۲ھ

(50)..*نور الہدایہ ترجمہ اردو شرح وقایہ؛تالیف:مولانا عبد الغفار لکھنوی،ناشر: مکتبۃ البخاری گلستان کالونی نزد صابری پارک-کراچی(یہ ترجمہ مولوی وحید الزمان لکھنوی فاروقی کا ہے، جیسا کہ کتاب کے شروع میں موجود مقدّمہ کے آخر میں مولوی موصوف کا نام لکھا ہے، لیکن کتاب کے ٹائٹل پر لکھا ہے:تالیف:مولانا عبد الغفار لکھنوی،لہٰذا ہم نے اسی کو برقرار رکھا ہے۔)*

کتبِ اصولِ فقہ

(51)..أصول الشاشي،مؤلف: نظام الدین أبو علي أحمد بن محمد بن إسحاق الشاشي (م: 344ھ)،ناشر:مکتبۃ المدینہ باب المدینہ۔کراچی،سنۃ النشر:۱۴۳۳ھ-2012ء

کتبِ تصوّف

(52)..فیوض الحرمین،مؤلف:امام شاہ ولی اللہ محدّثِ دھلوی(م:1174ھ)، ناشر: المطبع الاحمدی-دھلی،بسعی و اھتمام:سیّد ظھیر الدین عرف سیّد احمد دھلوی

(53)..مکتوبات امام ربانی،مجدّد الف ثانی شیخ احمد سرھندی ابن شیخ عبد الاحد فاروقی (م:1034ھ/1624ء)،باھتمام و تصحیح:مولانا نور احمد پسروری ثم امرتسری، زیر نگرانی: شیخ عبد العزیز، منیجر روز بازار پریس، امرتسر

کتبِ لغات

(54)..مجمع بحار الأنوار في غرائب التنزيل ولطائف الأخبار،مؤلف: جمال الدين، محمد طاهر بن علي الصديقي الهندي الفَتَّني الكجراتي (م: 986هـ) ،ناشر: مطبعة مجلس دائرة المعارف العثمانية۔الطبعة:الثالثة، 1387هـ-1967م

(55)..غياث اللغات،مصنف: غياث الدين محمد بن جلال الدين بن شرف الدين رامپوری، باحواشی و اضافات بکوشش:محمد دبیر سیاقی،ناشر:تهران۔خیابان لاله زار

(56)..*فیروز اللغات؛مرتبہ:الحاج مولوی فیروز الدین،ناشر:فیروز سنز*

(57)..منتخب اللغات،مصنّف:سيّد عبدالرشيد بن عبدالغفور الحسيني المدني التتوي، ناشر: مطبع نامی منشی نول کشور۔لکھنو

کتبِ متفرّقہ

(58)..روض الأخيار المنتخب من ربيع الأبرار(انتخبه ابن الخطيب من كتاب ضخم للزمخشري(م:538هـ) عنوانه"ربيع الأبرار")،مؤلف: محيي الدين محمد بن قاسم بن يعقوب الأماسي الحنفي،المعروف بابن الخطيب(م: 940هـ)،صحّحه و علّق عليه: محمود فاخوری، ناشر:دار القلم العربي، حلب۔الطبعة الأولى:1423هـ

أَغِثْنَا يَارَسُولَ الثَّقَلَينِ بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ أَغِثْنَا يَاغَوْثَ الثَّقَلَينِ

صمصامِ قادری وسنانِ بغدادی

(مناظرۂ سیالکوٹ)

مابین

قطبِ لاہور علامہ غلام قادر بھیروی	حافظ عبد المنان وزیر آبادی
مولانا فیض الدین صاحب بغدادی	مولوی محمد بوکن والہ
(اہلِ سنت وجماعت)	(غیر مقلّدین)

بقلم

محمد رمضان

تحقیق، تخریج

خرم محمود

(فاضل جامعۃ المدینہ فیضانِ مدینہ۔ کراچی)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیم

جملہ اہلِ اسلام کو مبارک و بشارت ہو کہ ساکنانِ شہر سیالکوٹ تھوڑے عرصہ سے-بباعث چند غیر مقلّدین-حالتِ اضطراب میں تھے کہ مولوی فیض الدین صاحب المعروف بغدادی[نے]سیالکوٹ میں بتقاضائے فضلِ ربّانی تشریف لاکر پند و نصائحِ مقلّدانہ سے آفتابِ ہدایت کو درخشاں اور اہلِ اسلام کو مشکور کیا۔ پس بمقتضائے وقت خواہاں اس امر کے ہوا، تاکہ باطل باطل اور حق حق ظاہر علی وجہ الباہر ہو جائے،لہذا حسب رضامندئ فریقین مؤرّخہ ۱۸ اکتوبر ۱۸۸۲ء روز یک شنبہ مباحثہ قرار پاکر بمقام خانقاہ پیر بھبل شہید صاحب جلسۂ عام منعقد ہوا۔ جس میں علاوہ ہر دو فریق کے اہلِ ہنود و عیسائی بھی جمع ہوئے اور جناب کرنل برچ صاحب ڈپٹی کمشنر بہادر ضلع سیالکوٹ نے-جو ایک عادل وراستی پسند، بیدار مغز، رعایا پرور حاکم ہیں-نہایت دور اندیشی و مآل کیشی سے یہ انتظام فرمایا کہ لالہ نندلال صاحب انسپکٹر متعینہ چھاونی و ملک امیر بخش صاحب ڈپٹی انسپکٹر سیالکوٹ و لالہ متھرا داس صاحب کورٹ انسپکٹر و جھنڈی خان صاحب سارجنٹ خاص شہر سیالکوٹ معہ یک صد نفر کنسٹیبلان کے مقرّر کیا کہ جس کے باعث سے انتظام ایسا عمدہ رہا کہ سراسر قابلِ تحسین و دید کے تھا، کیوں نہ ہو، جہاں ایسے حاکم خوش نصیبئ رعایا سے ہوتے ہیں، وہیں رفاہیت و تہذیب کی بنیاد قائم ہو جاتی ہے۔

جانبِ حنفیاں سے عالمانِ مفصّلہ ذیل:مولوی غلام قادر صاحب بھیرہ والے، مولوی فیض الدین صاحب بغدادی، سیّد وہاب شاہ صاحب بلانوالہ، مولوی محمد الدین صاحب، مولوی امان اللہ صاحب سکنہ عمرچک ضلع گجرات، مولوی محمد صاحب از وہوڑ، سیّد چراغ شاہ صاحب، اخون قابل خان صاحب پشاروی، مولوی کرم الٰہی صاحب چٹی شیخان، مولوی محمد حسین صاحب از جوڑہ۔

واز طرفِ ثانی یعنی، غیر مقلّدین صاحبانِ مندرجہ تحت:مولوی غلام حسین

صاحب ساہوالہ، مولوی محمد صاحب بوکن والہ، حافظ عبد المنان صاحب وزیر آبادی، مولوی برہان الدین صاحب از جہلم، مولوی ہدایت اللہ صاحب از وزیر آباد و میاں کریم بخش صاحب از سیالکوٹ۔ اپنے اپنے فرش پر جو پیش تر سے طے کیا گیا تھا۔ باحرمت و عزتِ مقابل یک دیگر بکتا بہائے ضروریہ جلوہ فرما ہوئے۔

اوّل از غیر مقلّدین سوال تحریری پیش ہوا:

اگر امّتِ محمدیہ میں کسی امر میں تنازع واقع ہو تو کیا کرنا چاہیئے؟

جانبِ مقلّدین سے جوابِ تحریر دیا گیا کہ کلامِ خدا تعالیٰ و رسول صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم کی طرف رجوع کیا جائے گا۔ مگر فرقہ نجدیہ لامذہبیہ -جو کتاب "تقویۃ الایمان" کو مانتے ہیں-جب تک "تقویۃ الایمان" والے کا ایمان و اسلام ثابت نہ کر لیں، تب تک امّتِ محمدیہ میں محسوب نہیں ہو سکتے۔ چناں چہ "تقویۃ الایمان" والے کی تکفیر پر فتویٰ علمائے حرمین شریفین وہندوستان کے موجود ہیں۔ امّتِ محمدیہ میں جب متصوّر ہو گا کہ صاحبِ "تقویۃ الایمان" کی تکفیر کے قائل ہوں اور آئندہ مباحثہ تقریری ہو گا، نہ کہ تحریری کہ مورثِ طوالت ہوتا ہے۔ بعد اس کے مولوی غلام قادر صاحب نے بر سرِ جلسہ سرو قد کھڑے ہو کر فرمایا کہ جو صاحب من جملہ صاحبانِ غیر مقلّدین سے بافضیلت ہو، جوابِ سوال کا دے۔ اس پر مولوی محمد صاحب بوکن والہ نے عمدہ تیزی اور چالاکی سے کھڑے ہو کر فرمایا کہ میں جواب دوں گا۔ یہ بات سنتے ہی مولوی غلام قادر صاحب نے سوالِ ذیل پیش کر کے آیات و احادیثِ نبویہ سے مؤیّد کیا جو ذیل میں ترقیم پاتے ہیں کہ اے حاضرینِ مجلس! سنئے کتاب "تقویۃ الایمان" جو اُن کی ہے، مطبوعہ مطبع فاروقی واقع دہلی ۱۲۹۱ھ کے ۱۴ صفحہ پر لکھا ہے کہ:

یقین کر لینا چاہیئے کہ ہر مخلوق کیا بڑا کیا چھوٹا خدا کی شان کے آگے چمار سے بھی ذلیل ہے۔

اور یہ اس فریق کا عقیدہ ہے اور یہ عقیدہ ان آیاتِ کرام کے بر خلاف ہے:۔

اوّل آیت:

﴿اِنَّ اَکۡرَمَکُمۡ عِنۡدَ اللّٰہِ اَتۡقٰکُمۡ﴾[پ:۲۶، الحجرات، ۱۳]

یعنی، خدا کے نزدیک بڑا عزت والا تم میں سے وہ ہے جو بڑا پرہیز گار ہے۔

دوسری آیت:

﴿قُلۡ ہَلۡ یَسۡتَوِی الَّذِیۡنَ یَعۡلَمُوۡنَ وَ الَّذِیۡنَ لَا یَعۡلَمُوۡنَ﴾[پ:۲۳، الزمر، ۹]

یعنی، کہہ اے رسول اللہ! کیا علم والے اور بے علم برابر ہوتے ہیں۔ یعنی، نہیں۔

تیسری آیت:

﴿وَ الَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡعِلۡمَ دَرَجٰتٍ﴾[پ:۲۸، المجادلہ، ۱۱]

یعنی، جن کو علم دیا گیا وہ متفاوت درجات کے ہیں۔

چوتھی آیت:

﴿وَلَقَدۡ کَرَّمۡنَا بَنِیۡۤ اٰدَمَ﴾[پ:۱۵، بنی اسرائیل، ۷۰]

یعنی، تحقیق میں نے اولادِ آدم کو عزت دی۔

پانچویں آیت:

﴿اِنَّ الۡمُتَّقِیۡنَ فِیۡ جَنّٰتٍ وَّ نَہَرٍ ﴿۵۴﴾ فِیۡ مَقۡعَدِ صِدۡقٍ عِنۡدَ مَلِیۡکٍ مُّقۡتَدِرٍ ﴿۵۵﴾﴾[پ:۲۷، القمر، ۵۴۔۵۵]

یعنی، بے شک پرہیز گار باغوں اور نہروں میں ہوں گے، عزت کے مقام میں، بادشاہ بڑی قدرت والے کے پاس۔

چھٹی آیت:

﴿يَخۡتَصُّ بِرَحۡمَتِهٖ مَنۡ يَّشَآءُ﴾[پ:۳، آل عمران، ۷۴]

یعنی، خدائے تعالیٰ اپنی رحمت کے ساتھ جس کو چاہتا ہے خاص کرتا ہے۔

ساتویں آیت:

﴿وَكَانَ فَضۡلُ اللّٰهِ عَلَيۡكَ عَظِيۡمًا﴾[پ:۵، النساء، ۱۱۳]

یعنی، تجھ پر اے **محمد**! خدائے تعالیٰ کا بڑا فضل ہے۔

اور حدیث شریف میں آیا ہے: حضرت رسولِ خدا صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيۡهِ وَسَلَّم فرماتے ہیں:

«أَنَا سَيِّدُ النَّاسِ يَوۡمَ الۡقِيَامَةِ»(1)

یعنی، قیامت کے دن میں سب لوگوں کا سردار ہوں۔

اور نیز فرماتے ہیں:

«أَنَا أَكۡرَمُ عِنۡدَ اللّٰهِ»(2)

یعنی، میں خدا کے پاس بڑا اعزت والا ہوں۔

اور کتاب ''تقویۃ الایمان'' کے صفحہ ۸ مطبوعہ مطبع دہلی میں لکھا ہے کہ:

''اولیا، انبیا، جن، شیطان، بھوت اور پری میں کچھ فرق نہیں۔''

نیز ایضاً صفحہ ۳۰ میں لکھا ہے کہ:

''سب لوگ، پہلے اور پچھلے، آدمی اور جن بھی سب مل کر جبریل اور پیغمبر ہو جائیں تو اُس مالک الملک کی سلطنت میں اُن کے سبب سے کچھ رونق بڑھ نہ جائے گی

---

(1)۔۔:صحيح البخاري: كتاب تفسير القرآن، بَابُ {ذُرِّيَّةَ مَنۡ حَمَلۡنَا مَعَ نُوحٍ إِنَّهُ كَانَ عَبۡدًا شَكُورًا} [الإسراء:۳]، رقم4712

(2)۔۔:أنساب الأشراف للبَلَاذُري: القول في السيرة النبوية الشريفة، أمر رسول الله صلى الله عليه وسلم حين بدئ، رقم1108۔545/1(دار الفكر—بيروت)

اور شیطان اور دجال ہی سے ہو جائیں تو اُس کی کچھ رونق گھٹنے کی نہیں۔"

اور نیز اُس میں لکھا ہے کہ:

"خدا چاہے تو ایک آن میں جبریل و محمد جیسے کروڑوں پیدا کر ڈالے۔"

اس فقرہ سے کئی طرح کا کفر نکلتا ہے کہ یہ مضمون آیت شریف ﴿مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَ خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ﴾[پ:۲۲، الاحزاب،۴۰] کے برخلاف ہے۔

یعنی، نہیں ہے محمد باپ کسی کا تم مردوں میں سے، لیکن رسول، اللہ کا ہے اور نبیوں کا ختم کرنے والا۔

جب خدائے تعالیٰ نے خاتم النبیین فرمایا تو دو حال سے خالی نہیں:

خدا کو علم تھا کہ کوئی روح مثل روحِ رسولِ خدا کے ہے یا نہ تھا۔ اگر علمِ خدا میں تھا تو کہنا خاتم النبیین کذب اور دروغ ہوا اور یہ کفر ہے۔ اگر نہ تھا تو اب "تقویۃ الایمان" والا کہاں سے کہتا ہے کہ:

"خدا تعالیٰ محمد جیسے کروڑوں پیدا کر ڈالے۔"

علم اور قدرتِ خدا مساوی ہیں۔ جو ممکنات ہیں، وہی معلومات ہیں اور وہی مقدورات اور محالات، نہ مقدورات ہیں، نہ معلومات۔

فرقۂ ثانی کی دلیل یہ ہے کہ:

﴿اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ﴾[پ:۱، البقرہ، ۲۰]

یعنی، اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

جب ہر چیز پر قادر ہے تو لازم کہ رسول جیسوں پر بھی قادر ہو۔

سو یہ دلیل اُن کی غلط ہے؛ کیوں کہ تفسیروں میں لکھا ہے کہ ﴿شَىْءٍ﴾ سے مراد ممکن ہے، عام نہیں۔ یعنی کہ محال و ممکن کو شامل ہو اور محال کو مستثنیٰ عقلی کہتے ہیں۔ اب

آپ کو لازم ہے کہ اس فقرہ پہلے پر جو "چمار والا ہے"، کوئی آیت یا حدیث شاہد لاؤ، جس کا ترجمہ ٹھیک اس فقرہ کے مطابق ہو۔ یہ فرقہ دعویٰ کرتا ہے کہ ہم آیت و حدیث پر چلتے ہیں، لازم ہے کہ ہر ہر فقرہ مذکورہ "تقویۃ الایمان" پر ایک ایک آیت یا حدیث مطابق اُن فقرات کے لائیں۔ یہ کہہ کر مولوی غلام قادر صاحب بیٹھ گئے۔

فریقِ ثانی محمد صاحب بوکن والہ در جواب کہنے لگا کہ اوّل تحریری مباحثہ یہ ہوا اور یہ ہوا، آخرش خاموش ہو گیا۔

اور مولوی غلام قادر صاحب نے استادہ ہو کر کہا کہ ہمارے سوال کا جواب یعنی، کوئی آیت یا حدیث اس فقرہ پر شاہد لاؤ، وہ نہ لا سکا اور کہا مولوی غلام قادر صاحب نے کہ میں خوب جانتا ہوں کہ مدّت سے "تقویۃ الایمان" کی غلطیوں پر کوئی آیت اُس کے تابعین نہیں لا سکے۔ تم چھ ماہ یا سال تک کوئی آیت ان فقروں کے مطابق نہ لا سکو گے۔

پس سب لوگوں نے کہا کہ فریقِ ثانی کو جواب نہیں یا مولوی غلام قادر صاحب کو کہا کہ تم اپنے مقام پر بیٹھو۔ اب وقت نماز کا تنگ ہو گیا ہے، نمازِ ظہر کے ادا کرنے کے واسطے مولوی صاحب بغدادی اور مولوی غلام قادر صاحب چلے گئے اور چوں کہ مولوی غلام قادر صاحب بیمار تھے اور ضرورت جواب و سوال کی کچھ باقی نہ رہی تھی، وہ بعد ادائے نماز مجلس میں آنا بلاضرورت فضول سمجھ کر جہاں نماز پڑھی، وہیں منتظر رہے۔ بعد مولوی صاحب بغدادی نماز پڑھ کر مجلس میں آئے۔

حافظ عبد المنان نے استادہ ہو کر بہت طول تقریر کی کہ آمین پکارنی جائز ہے۔

بعد مولوی صاحب بغدادی نے استادہ ہو کر بیان کیا کہ آمین پکارنا آیاتِ قرآنی کے برخلاف ہے:۔

پہلی آیت یہ ہے:

﴿اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً﴾[پ:۸،الاعراف،۵۵]

یعنی، تم اپنے ربّ کو عاجزی سے اور آہستہ پکارو۔

دوسری آیت یہ ہے:

﴿وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّ خِيْفَةً وَّدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ﴾[پ:۹،الاعراف،۲۰۵]

یعنی، اپنے ربّ کو اپنے جی میں عاجزی سے اور خوف سے اور آہستگی سے یاد کرو، نہ پکار کر۔

تیسری آیت یہ ہے:

﴿اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ نِدَآءً خَفِيًّا﴾[پ:۱۶،مریم،۳]

یعنی، جب حضرت ذکریا نے اپنے ربّ کو آہستہ پکارا۔

جو آمین پکارتا ہے، یہ بات اُن آیتوں کے برخلاف ہے، تم کو لازم ہے کہ ان آیات کا جواب، آیات کے ساتھ دو۔ فریقِ ثانی نے جواب میں ایک فارسی شعر "کریما" کا پڑھا اور یہ آیت پڑھی:

﴿وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ﴾[پ:۴، آل عمران،۱۳۲]

یعنی، خدا کی اور رسول کی تابع داری کرو۔

ازاں بعد عوام نے تالی بجائی کہ واہ واہ سوال دیگر جواب دیگر۔ مولوی صاحب بغدادی نے لوگوں کو بند کہ دیا کہ خاموش اور رومال کا اشارہ کیا کہ بس۔ اور ملک امیر بخش ڈپٹی انسپکٹر صاحب نے مولوی بغدادی کو فرمایا کہ آپ کو رخصت۔ اور یہ تقریر روسائے وغیرہ حاضرینِ جلسہ کو معلوم ہے۔ فقط

العبد

حکیم محکم دین، قوم چشتی، سکنہ چٹی شیخان

العبد

منشی رکن دین صاحب ساکن سیالکوٹ

العبد

شیخ کرم الٰہی صاحب مختار

العبد

چوہدری بہاول بخش ساکن بدوکی

العبد

منشی گلاب دین ساکن دبھرجی

العبد

میاں شمس دین صاحب ساکن سیالکوٹ

العبد

شیخ محمد بخش از سیالکوٹ

العبد

حافظ ولی شاہ صاحب از ظفروال

العبد

مولوی محمد حسن صاحب امام مسجد

العبد

میاں میر احمد سکنہ میترا والی

العبد

محمد اسماعیل از سیالکوٹ

العبد

مولوی محمد حسین از جوڑہ

العبد

مولوی چراغ شاہ از سیالکوٹ

العبد

جناب فضل دین صاحب عرف حکیم بوڑا صاحب

تمّت

بقلم:

بندہ محمد رمضان

مطبع متر پنجاب میں ماہ اپریل ۱۲۸۳ء میں چھپی۔

طلاقِ ثلاثہ کا شرعی حکم

مؤلف

حضرت علامہ مفتی محمد عطاء اللہ نعیمی مدظلہ العالی

(رئیس دارالافتاء جمعیت اشاعت اہلسنت پاکستان)

مرتب

حضرت علامہ مولانا محمد عرفان قادری ضیائی مدظلہ العالی

(ناظم اعلیٰ جمعیت اشاعت اہلسنت پاکستان)

ناشر

جمعیتِ اشاعتِ اہلسنّت پاکستان

العروة في الحج والعمرة

فتاویٰ حج وعمرہ

مؤلف

حضرت علامہ مفتی محمد عطاء اللہ نعیمی مدظلہ العالی

(رئیس دارالافتاء جمعیت اشاعت اہلسنت پاکستان)

مرتب

حضرت علامہ مولانا محمد عرفان قادری ضیائی مدظلہ العالی

(ناظم اعلیٰ جمعیت اشاعت اہلسنت پاکستان)

ناشر

جمعیتِ اشاعتِ اہلسنّت پاکستان